قضاء عمری کی حقیقت

اسلام میں تصویر کا حکم

پردہ اور اس کی شرعی حدود

جیلوں، چھاؤنیوں اور ائیرپورٹ پر نماز جمعہ

جدید آلات سے ذبح کرنے کے طریقے اور حکم

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا حکم

حرام اشیاء سے علاج کا حکم

جانوروں کے ذبح کے احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ "فقہی مقالات" کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو استاذ مکرم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے فقہ کے موضوع پر لکھے گئے جدید مقالات پر مشتمل ہے، سابقہ جلد کی طرح اس جلد میں بھی بیشتر مقالات وہ ہیں جو اوّل حضرت مدظلہم نے عربی زبان میں تحریر فرمائے، اور احقر نے ان کو اردو کے قالب میں منتقل کر دیا، اور بعض مقالات ایسے ہیں جو حضرت استاذ مکرم مدظلہم نے براہ راست اردو میں تحریر فرمائے۔ ان مقالات کی تفصیل ذیل میں پیش ہے:

☆ "قضاء عمری کی حقیقت" یہ درحقیقت ایک سوال کا تفصیلی جواب ہے، ایک صاحب نے یہ سوال کیا تھا کہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ اپنے درس میں یہ بیان کرتی ہیں کہ "قضاء عمری" کو ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ان کی طرف سے صرف توبہ کر لینا کافی ہے، کیا ان کی یہ بات درست ہے؟ ان صاحب کے اس

سوال کے جواب میں حضرت والا مدظلہم نے یہ تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

﴿۲﴾ "جیلوں، چھاؤنیوں اور ایئرپورٹ پر نماز جمعہ" یہ بھی درحقیقت ایک سوال کا تفصیلی جواب ہے۔ جو ایک صاحب نے "جیل" میں قیدیوں کے نماز جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا تھا۔ اس سوال کا تفصیلی جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا، اور جیل کے علاوہ فوجی چھاؤنیوں اور ایئرپورٹ پر جمعہ کی نماز قائم کرنے کا حکم بھی تحریر فرمایا ہے۔

﴿۳﴾ "پردہ اور اس کی شرعی حدود" یہ مقالہ حضرت والا مدظلہم نے "تکملہ فتح الملہم" (ج ۴ ص ۲۶۱) میں مسئلہ "حجاب المرأۃ و حدودہ" کے نام سے تحریر فرمایا تھا، احقر نے عام استفادہ کے لئے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا۔

﴿۴﴾ "اسلام میں تصویر کا حکم" یہ مقالہ بھی حضرت والا مدظلہم نے "تکملۃ فتح الملہم" (ج ۴ ص ۱۵۵) میں "مسئلہ التصویر فی الاسلام" کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا۔ احقر نے اس کو عام استفادہ کے لئے اردو کا جامعہ پہنا دیا۔

﴿۵﴾ "حرام اشیاء سے علاج کا حکم" یہ مقالہ بھی حضرت والا مدظلہم نے "تکملۃ فتح الملہم" (ج ۴ ص ۳۰۱) میں "مسئلۃ التداوی بالمحرم" کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا۔ احقر نے اس کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

﴿۶﴾ "جانوروں کے ذبح کے احکام"

﴿۷﴾ "جدید آلات سے ذبح کرنے کے طریقے اور حکم"

﴿۸﴾ "غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا حکم"

یہ تینوں مقالات حضرت والا مدظلہم نے اپنی تفصیلی مقالے "احکام الذبائح و اللحوم المستوردة" میں تحریر فرمائے تھے۔ یہ مقالہ "بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة" میں شائع ہو چکا ہے۔ احقر نے استفادہ عام کے لئے اس کا ترجمہ کر دیا۔

حضرت والا مدظلہم کے بے شمار مفید موضوعات پر مقالات عربی میں موجود ہیں، تمام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بقیہ مقالات کو بھی اردو کا جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ان کا فائدہ عام اور تمام ہو جائے۔ آمین۔

محمد عبداللہ میمن

سابق استاذ دارالعلوم کراچی

۳ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

اجمالی فہرست فقہی مقالات

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

پردہ اور اس کی شرعی حدود

صفحہ	عنوان

اسلام میں تصویر کا حکم

حرام اشیاء سے علاج کا حکم

عنوان	صفحہ

جانوروں کے ذبح کے احکام

عنوان	صفحہ

جدید آلات سے ذبح کرنے کے طریقے اور حکم

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا حکم

قضاءِ عمری کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

قضاءِ عمری کی حقیقت

ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ درس قرآن دیتے ہوئے اس بات پر بہت زور دیتی ہیں کہ "قضاءِ عمری" کا جو مسئلہ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کسی شخص نے بہت عرصے تک نمازیں نہ پڑھی ہوں، پھر وہ نماز شروع کرے تو اُسے قضاءِ عمری کے طور پر وہ نمازیں قضاء کرنی چاہئیں، قرآن وسنت میں اسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ پچھلی زندگی میں جو نمازیں قضاء ہوئی ہوں، اسکی تلافی صرف توبہ سے ہوجاتی ہے، اسکی ساری نمازیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ براہ کرم یہ واضح فرمائیں کہ کیا شریعت میں پچھلی نمازوں کی قضاء واقعی ضروری نہیں ہے؟ اور کیا ائمہ اربعہ یا فقہاء کرام میں سے کسی کا مذہب یہ ہے کہ نمازیں زیادہ قضاء ہوجائیں تو ان کی تلافی صرف توبہ سے ہوجاتی ہے، اور قضاءِ عمری پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر ان صاحبہ کا بتایا ہوا یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے تو کیا اُن کے درس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ نیز اگر قضاءِ عمری ضروری ہے تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟...... (محمد رضوان، کراچی)

الجواب حامدًا و مصلّیًا

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ

جو شخص کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اس پر لازم ہے کہ جب بھی اسے یاد

آئے وہ نماز پڑھے، اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب المواقیت، باب نمبر ۳۷، حدیث ۵۹۷)

صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے:

اذا رقد احدکم عن الصلاۃ او غفل عنھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ عزوجل یقول: أقم الصلاۃ لذکری

جب تم سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے تو جب بھی اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ أقم الصلاۃ لذکری (میری یاد آنے پر نماز قائم کرو)۔ (صحیح مسلم، آخر کتاب المساجد، حدیث نمبر ۱۵۶۹)

اور سنن نسائیؒ میں مروی ہے:

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یرقد عن الصلاۃ أو یغفل عنھا، قال: کفارتھا أن یصلیھا اذا ذکرھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نماز کے وقت سو جائے یا غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب بھی اسے نماز یاد آئے وہ نماز پڑھے۔ (سنن النسائی، کتاب المواقیت، باب فیمن نام عن صلاۃ ص ۱ ج ۱)

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرما دیا ہے کہ جب بھی انسان کوئی نماز وقت پر نہ پڑھے تو اس کے ذمے لازم ہے کہ جب ہوش آئے اس کی قضاء کرے، خواہ یہ نماز بھول سے چھوٹی ہو، سو جانے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایتوں میں اس موقع پر آپ ﷺ نے آیت قرآنی أقم الصلاۃ لذکری کا حوالہ دیکر یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ آیت قرآنی نماز کی قضاء پڑھنے

کے حکم کو بھی شامل ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا یہ فریضہ ادا کرنے پر متنبہ ہو، اُسے نماز ادا کرنی چاہئے۔

یہ اصول بیان کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی کہ اتنی تعداد میں نمازوں کی قضا واجب ہے، چنانچہ جب غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی کئی نمازیں چھوٹیں تو آپ ﷺ نے سب کی قضاء فرمائی جس کا واقعہ حدیث کی تمام کتابوں میں تفصیل سے آیا ہے، اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر اس سے زیادہ نمازیں چھوٹ جائیں تو ان کی قضاء واجب نہیں۔ یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ قرآن وسنت کی طرف سے جب کوئی عام حکم آجاتا ہے تو اسکے ہر ہر جزئیے کیلئے الگ حکم نہ دیا جاسکتا ہے، نہ اسکی ضرورت ہے، مثلاً قرآن کریم نے رمضان کے روزوں کی فرضیت کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمادیا ہے کہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی پوری کرے۔

اس آیت کریمہ میں یہ عام حکم دیدیا گیا ہے کہ جب روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے نہ رکھے جاسکے ہوں تو بعد میں انکی قضاء کرلی جائے۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا، نہ اسکے بتانے کی ضرورت تھی کہ ایک رمضان کے روزے چھوٹنے کا یہ حکم ہے یا دو رمضانوں کے روزے چھوٹنے کا، بلکہ ایک عام حکم دیدیا گیا ہے جو روزے چھوٹنے کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اب اگر کسی شخص کے دو رمضان کے روزے چھوٹ گئے ہوں اور وہ اس دلیل کا مطالبہ کرے کہ دو رمضان کے روزے چھوٹنے کیلئے کوئی الگ حکم ہونا چاہئے تو جس طرح اس کا مطالبہ غلط اور جاہلانہ مطالبہ ہوگا، اسی طرح زیادہ نمازوں کی قضاء کیلئے الگ دلیل کا مطالبہ بھی اتنا ہی غلط مطالبہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عام حکم سے استثناء کا دعویٰ کرے تو دلیل اسکے ذمہ ہے کہ

قرآن وسنت کی کسی دلیل سے مستثنیٰ ہونا ثابت کرے، ورنہ جب تک قرآن وسنت میں کوئی استثناء مذکور نہ ہو، عام حکم اپنی جگہ قائم رہے گا۔

چنانچہ نمازیں قضا پڑھنے کا جو حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا احادیث میں دیا ہے اسکی بنیاد پر تمام فقہائے امت نے تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹی ہوئی نمازیں کتنی زیادہ ہوں، ان کی قضاء ضروری ہے۔ مشہور حنفی عالم علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

فالأصل فيه أن كل صلاة فاتت عن الوقت بعد ثبوت وجوبها فيه فإنه يلزم قضاؤها، سواء تركها عمداً أو سهوا أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائت قليلة أو كثيرة۔ (البحر الرائق ص ١٤٦ ج ٢، طبع مكة مكرمه)

اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو کسی وقت میں واجب ہونے کے بعد چھوٹ گئی ہو اس کی قضاء لازم ہے، چاہے انسان نے وہ جان بوجھ کر چھوڑی ہو یا بھول کر، یا نیند کی وجہ سے، اور چاہے چھوٹی ہوئی نمازیں کم ہوں یا زیادہ ہوں۔

یہ موقف صرف حنفی علماء کا نہیں ہے، بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی تمام مکاتب فکر اس پر متفق ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من نسي صلوات كثيرة أو ترك صلوات كثيرة فليصل على قدر طاقته، وليذهب إلى حوائجه، فإذا فرغ من حوائجه صلى أيضا ما بقي عليه حتى يأتي على جميع ما نسي أو ترك۔ (المدونة الكبرى للإمام مالك ص ٢١٥ ج ١)

جو شخص بہت سی نمازیں پڑھنا بھول گیا ہو یا اس نے بہت سی نمازیں چھوڑ دی ہوں، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق وہ چھوڑی

ہوئی نمازیں پڑھے، اور اپنی ضروریات کیلئے چلا جائے لیکن جب ضروریات سے فارغ ہو تو پھر باقی نمازیں پڑھتا رہے، یہاں تک کہ وہ تمام نمازیں پوری کرلے جو وہ بھول گیا تھا یا اس نے چھوڑ دی تھیں۔

امام مالکؒ کے اس قول کی تشریح اور مزید تفصیل کرتے ہوئے مالکی عالم علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فيكفي أن يقضي في اليوم الواحد صلاة يومين فأكثر، ولا يكفي قضاء صلاة يوم في يوم إلا إذا خشي ضياع عياله إن قضى أكثر من يوم في يوم، وفي ..... أجوبة ابن رشد أنه إنما أمر بتعجيل قضاء الفوائت خوف معاجلة الموت، وحينئذ فيجوز التأخير لمدة بحيث يغلب على الظن وفاؤه بها فيها۔ (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ص ۲۶۳ ج ۱)

اتنا کافی ہے کہ ایک دن میں دو دن یا زیادہ کی نمازیں قضا کرلے، اور یہ کافی نہیں ہے کہ ایک دن میں صرف ایک دن کی نمازیں قضاء کرے، الا یہ کہ اسے ایک دن سے زیادہ نمازیں قضاء کرنے کی صورت میں اپنے عیال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو ..... اور علامہ ابن رشدؒ کے جوابات میں یہ مذکور ہے کہ قضا پڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم اس خطرے کی بنا پر دیا گیا ہے کہ موت نہ آجائے، لہٰذا اتنی مدت تک مؤخر کرنا جائز ہے جس میں غالب گمان یہ ہو کہ اس میں نمازیں پوری ہو جائیں گی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں بھی قریب قریب یہی بات کہی گئی ہے، علامہ مرداویؒ جو امام احمدؒ کے مذہب کے قابل اعتماد ترین ناقل ہیں، فرماتے ہیں:

(ومن فاته صلوات، لزمه قضاؤها على الفور هذا

المذهب نص عليه وعليه جماهير الأصحاب وقطع به كثير منهم...... قوله "لزمه قضاؤها على الفور" مقيد بما إذا لم يتضرر في بدنه أو معيشته يحتاجها، فإن تضرر بسبب ذلك سقطت الفورية (الانصاف للمرداوي ص ٤٤٢ ج ١)

اور جس شخص کی بہت نمازیں چھوٹ گئی ہوں، اس پر ان کی فی الفور قضا کرنا واجب ہے۔ یہی مذہب ہے جس کی تصریح کی گئی ہے اور حنبلی اصحاب کی بھاری اکثریت کا بھی کہنا ہے (کہ قضا نمازیں فوراً ادا کرنی ضروری ہیں) اور بہت سوں نے قطعی طور پر یہی کہا ہے...... البتہ فوری ادائیگی کا لازم ہونا اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کو جسم یا ضروری معیشت میں نقصان نہ ہو، اگر نقصان ہو تو فوری ادائیگی کا حکم ساقط ہو جائے گا (بلکہ تاخیر سے ادا کرنا جائز ہوگا)۔

امام شافعیؒ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر نمازیں کسی عذر سے چھوٹی تھیں تو فوری ادائیگی کے بجائے تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے، لیکن کسی عذر کے بغیر چھوٹی تھیں تو فوراً ادا کرنا ضروری ہے:

(من فاتته) ...... (مكتوبة) فأكثر (قضى) ما فاته بعذر أو غيره، نعم غير المعذور يلزمه القضاء فوراً، ويظهر انه يلزمه صرف جميع زمنه للقضاء ماعدا ما يحتاج لصرفه فيما لا بد منه. (فتح الجواد ص ١٢٣ ج ١)

جس شخص کی ایک یا زیادہ فرض نمازیں چھوٹ گئی ہوں، اس پر ضروری ہے کہ جو نمازیں چھوٹی ہیں ان کی قضاء کرے، چاہے نمازیں کسی عذر سے چھوٹی ہوں یا بغیر عذر کے۔ ہاں جس شخص نے بغیر کسی عذر کے نمازیں چھوڑی ہوں اس پر قضا فوری طور سے واجب ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس کو اپنا پورا وقت قضاء پڑھنے میں صرف کرنا چاہئے، سوائے اتنے وقت

کے بجائے اپنی لازمی ضروریات کیلئے درکار ہو۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی فقہاء کرامؒ کے یہ مذاہب نقل کر کے ان سے اتفاق کیا ہے، فرماتے ہیں:

ومن علیه فائتة فعلیه أن یبادر إلی قضاءها علی الفور سواء فاتته عمدا أو سهوا عند جمهور العلماء کمالك وأحمد وأبي حنیفة وغیرهم۔ وکذلك الراجح في مذهب الشافعي أنها إذا فاتت عمدا کان قضاؤها واجبا علی الفور (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیه ص ۲۵۹ ج ۲۲)

جس شخص کے ذمے کوئی چھوٹی ہوئی نماز ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کرنے میں فوری طور سے جلدی کرے، چاہے وہ نماز جان بوجھ کر چھوڑی ہو یا بھول سے۔ یہی جمہور علماء مثلاً امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے۔ اور امام شافعیؒ کے مذہب میں بھی راجح یہی ہے کہ اگر جان بوجھ کر نماز چھوڑی ہے تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

رجل علیه صلوات کثیرة فائته، هل یصلیها بسننها؟ أم الفریضة وحدها؟

جس شخص کے ذمے بہت سی نمازیں قضاء ہوں، وہ انہیں ادا کرتے ہوئے سنتیں بھی پڑھے؟ یا صرف فرض پڑھے؟

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

المسارعة إلی قضاء الفوائت الکثیرة أولی من الاشتغال عنها بالنوافل۔ وأما مع قلة الفوائت فقضاء السنن معها حسن۔

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیه

ص ۱۰۴ ج ۱۱)

جب چھوٹی ہوئی نمازیں بہت ساری ہوں تو ان کو قضا کرنا نفلوں میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ البتہ اگر چھوٹی ہوئی نمازیں کم ہوں تو ان کے ساتھ سنتوں کو قضا کرنا اچھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ تو زیر بحث آیا ہے کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء متنبہ ہوتے ہی فوراً واجب ہو جاتی ہے، یا اس میں تاخیر کر سکتے ہیں، اور تاخیر کی صورت میں کتنی نمازیں روزانہ قضا کرنی ضروری ہیں، نیز یہ کہ صرف فرض نمازیں قضاء کی جائیں یا سنتیں بھی؟ اور قضا کرتے ہوئے نمازوں میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے یا نہیں؟ لیکن اس مسئلے میں معروف فقہاء کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نمازیں خواہ کتنی زیادہ ہوں، ان کی قضاء انسان کے ذمے واجب ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قرآن کریم کی آیت أقم الصلاة لذكري کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ متنبہ ہونے پر انسان چھوٹی ہوئی نمازیں قضا کرنے کی فکر کرے۔ اور قرآن وسنت کی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو زیادہ نمازوں کو قضا کرنے کی ضرورت نہ ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ یوں بھی یہ عجیب وغریب موقف ہے کہ جو شخص کم نمازیں قضا کرے اس پر تو ادائیگی واجب ہو، لیکن زیادہ نمازیں چھوڑنے والے پر کچھ واجب نہ ہو؟ پھر کون ہے جو کم نمازوں اور زیادہ نمازوں کی تعداد مقرر کرکے یہ کہے کہ اتنی نمازوں کے بعد قضاء واجب نہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر انسان پر بالغ ہونے کے بعد نماز پڑھنا فرض ہو جاتا ہے، اور یہ فریضہ تمام شرعی فرائض میں سب سے زیادہ مؤکد اور اہم ہے، اور یہ بھی ایک مسلم اصول ہے کہ اگر کوئی فریضہ قطعی دلائل سے ثابت ہو تو اُسے انسان کے ذمے سے ساقط کرنے کیلئے کم از کم اتنے ہی مضبوط قطعی دلائل کی ضرورت

ہوتی ہے، اور یہاں قطعی دلائل تو درکنار، کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ جو نمازیں انسان کے ذمہ فرض ہوئی تھیں، اسکی غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے ان کی فرضیت ختم ہوگئی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ اگر فوت شدہ نمازیں بہت زیادہ ہوگئی ہوں تو ان کی قضاء لازم نہیں، قرآن وسنت کے واضح دلائل اور ان پر مبنی فقہاء امت کے اتفاق کے بالکل خلاف ایک گمراہانہ بات ہے، اور نماز جیسے اہم فریضے کو محض اپنی رائے کی بنیاد پر ختم کر دینے کے مرادف ہے۔ اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ فوت شدہ نمازوں کیلئے بس توبہ کر لینا کافی ہے، اس لئے کہ توبہ کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کی جتنی تلافی بس میں ہو، وہ تلافی بھی ساتھ ساتھ کرے۔

قضاء عمری کی موضوع احادیث

یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ اصول حدیث کی بعض کتابوں میں موضوع احادیث کی علامتیں بیان کرتے ہوئے قضاء عمری کی حدیث کی مثال دی گئی ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی پانچویں علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پنجم آنکه مخالف مقتضی عقل و شرع باشد و قواعد شرعیه آں را تکذیب نمایند، مثل قضاء عمری۔
>
> یعنی: پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ حدیث عقل وشریعت کے تقاضوں کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اسکی تکذیب کرتے ہوں مثلاً قضاء عمری کی حدیث۔ (عجالۂ نافعہ ص ۲۳ طاف)

ہوسکتا ہے کہ کسی ناواقف یا جاہل آدمی کو اس سے یہ مغالطہ ہو کہ پچھلی عمر کی نمازیں قضاء کرنا بے اصل ہے اور اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں، وہ موضوع

ہیں۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض غیر مستند وظائف وغیرہ کی کتابوں میں کچھ ایسی موضوع حدیثیں آ گئی ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی خاص دن میں صرف ایک نماز قضاء پڑھ لی جائے تو اس سے ستر سال کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ محدثین اس قسم کی روایات کو قضاء عمری کا نام دیتے ہیں، اور ان احادیث کو انہوں نے موضوع قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "موضوعات" پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:

حدیث "من قضى صلاة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرا لكل صلاة فائتة في عمره الى سبعين سنة" باطل قطعا، لأنه مناقض للإجماع على أن شيئا من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات"۔

یہ روایت کہ "جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں ایک فرض نماز قضا پڑھ لے تو ستر سال تک اسکی عمر میں جتنی نمازیں چھوٹی ہوں ان سب کی تلافی ہو جاتی ہے" یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے، اجماع اس پر ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔" (الموضوعات الکبری ص ۳۵۶)

اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدیث "من صلى في آخر جمعة من رمضان الخمس الصلوات المفروضة في اليوم والليلة قضت عنه ما أخل به من صلاة سنته" هذا موضوع لا إشكال فيه۔

"یہ حدیث کہ "جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں دن رات کی پانچ فرض نمازیں پڑھ لے تو اس سے سال بھر کی جتنی نمازوں میں خلل رہا ہو ان سب کی قضاء ہو جاتی ہے" کسی شک کے بغیر موضوع ہے۔

(الفوائد المجموعہ للشوکانی ص ۵۴ ج ا نمبر ۱۱۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت میں قضاء عمری کی جن روایات کو موضوع قرار دیا گیا ہے، ان سے مراد قضاء عمری کے بارے میں اس قسم کی روایات ہیں جو ایک نماز یا چند نمازوں کو عمر بھر کی نمازوں کے قائم مقام قرار دیتی ہیں، اور علاوہ اس کے کہ اس قسم کی روایات کی کوئی سند نہیں ہے، ان کے موضوع ہونے کی وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ایک یا چند نمازیں سالہا سال کی فوت شدہ نمازوں کی تلافی نہیں کر سکتیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ان احادیث کو موضوع قرار دینے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ قضاء عمری کا تصور ہی بے بنیاد ہے اور پچھلی نمازوں کی قضا لازم نہیں تو اسکا منشا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

قضاء عمری کا صحیح طریقہ

قرآن وسنت اور فقہائے کرامؒ کے اتفاق کی روشنی میں یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جس مسلمان نے اپنی عمر کی ابتدا میں نمازیں اپنی غفلت یا لا پرواہی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں اور بعد میں اُسے تنبہ اور توبہ کی توفیق ہو، اسکے ذمے یہ ضروری ہے کہ اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کا ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر انہیں ادا کرنے کی فکر کرے۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ تینوں بزرگ تو اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نمازیں کسی عذر کے بغیر چھوڑی ہیں تو تنبہ ہونے کے بعد اسکا فرض ہے کہ وہ ان نمازوں کی ادائیگی فوراً کرے، اور صرف ضروری حاجتوں کا وقت اس سے مستثنیٰ ہوگا، لیکن فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ چونکہ انسان اپنی وسعت کی حد تک ہی کا مکلف ہے اس لئے قضا نماز پڑھنے میں اتنی تاخیر جائز ہے جو انسان کی معاشی اور دوسری حاجتوں کو پورا کرنے کیلئے درکار ہو۔ درمختار میں ہے:

(ویجوز تأخیر الفوائت) وإن وجبت علی الفور (لعذر

السعی علی العیال وفی الحوائج علی الأصح) (ص ۵۳۳ ج۱)

چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء پڑھنے میں تاخیر جائز ہے، اگرچہ ان کا وجوب علی الفور ہوتا ہے، مگر عیال کیلئے معاش کے انتظام اور دوسری حاجتوں کے عذر کی وجہ سے تاخیر کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فیسعی ویقضی ما قدر بعد فراغه، ثم وثم إلی ان تتم

لہذا ایسا شخص اپنے کام کرتا رہے اور فارغ ہونے کے بعد جتنی نمازیں پڑھ سکے، قضا کرتا رہے، یہاں تک کہ تمام نمازیں پوری ہوجائیں۔ (ایضاً)

بعض علماء نے مزید آسانی کیلئے یہ طریقہ بتایا ہے کہ انسان روزانہ ہر فرض نماز کے ساتھ اسی وقت کی ایک قضا نماز پڑھ لیا کرے، اس طرح ایک دن میں پانچ نمازیں ادا ہوجائیں گی، البتہ جب موقع ملے اس سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

وفوره مع كل فرض فرض، إذلم يجب في اليوم أداء أكثر من خمس، فكذا القضاء، فإن زاد أو جمع الخمس فحسن۔

(البحر الرجاز لأحمد بن المرتضی ص ۱۷۳ ج ۱ مطبع مصنعاء)

اور قضا نمازوں کی فوری ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض کے ساتھ ایک فرض پڑھا جائے، کیونکہ ایک دن میں پانچ سے زیادہ نمازیں ادا میں ضروری نہیں تو قضاء کو بھی اس پر قیاس کرلیا جائے، لیکن اگر کوئی زیادہ نمازیں پڑھے یا پانچ نمازیں اکٹھی پڑھ لے تو اچھا ہے۔

البتہ قضاء پڑھنے میں نیت کا خیال رکھا جائے، یعنی واضح طور پر قضا کی نیت کی

جائے۔ مثلاً فجر کی قضا پڑھ رہے ہیں تو یہ نیت کریں کہ میرے ذمے فجر کی جو سب سے پہلی نماز واجب ہے، اسکی قضا پڑھ رہا ہوں۔

نمازوں کا فدیہ

قرآن کریم میں روزوں کا فدیہ بیان فرمایا گیا ہے، یعنی جو لوگ روزے رکھنے کی بالکل طاقت نہ رکھتے ہوں، نہ آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید ہو، ان کیلئے قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ وہ ایک روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ لیکن نماز کیلئے قرآن کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ایسا کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور وہ انہیں ادا نہ کر پا رہا ہو اسے چاہئے کہ وہ یہ وصیت کر دے کہ اگر میں یہ نماز ادا نہ کر پایا، اور اسی حالت میں میرا انتقال ہو گیا تو میرے ترکے سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے، اور وہ فدیہ بھی روزے کے فدیے کے حساب سے، یعنی ایک نماز کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا (یا پونے دو سیر گندم یا اسکی قیمت کا صدقہ) ادا کیا جائے۔ امام محمدؒ نے یہ حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے، اور کہا ہے کہ اگرچہ نمازوں کے فدیہ کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے مگر روزے پر قیاس کرکے یہ حکم نکالا گیا ہے، لہٰذا امید ہے کہ انشاء اللہ اس طرح انسان کی ذمہ داری پوری ہو جائیگی۔ (دیکھئے رد المحتار ص ۵۳۱ ج ۱)

لیکن یاد رہے کہ یہ وصیت ترکے کے ایک تہائی حصے تک نافذ ہوگی یعنی اگر روزوں یا نماز کا کل فدیہ اس کے کل مال کا ایک تہائی یا اس سے کم ہو تب تو ورثاء کے ذمے واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں، اگر فدیہ کی مقدار ایک تہائی سے بڑھ گئی تو زائد مقدار میں وصیت پر عمل کرنا ورثا کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے روزے یا نماز کے فدیہ کی وصیت نہ کی تو ورثا کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ فدیہ ادا کریں۔ البتہ عاقل و بالغ ورثا اپنے حصے میں سے رضا

کا وارث طور پر فدیہ ادا کردیں تو یہ ان کا احسان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ مرحوم کو معاف فرمادینگے۔

خلاصہ

یہ ہے کہ انسان سے جو نمازیں چھوٹ گئی ہوں اُن کی قضاء اسکے ذمہ لازم ہے، صرف توبہ کرلینے سے وہ معاف نہیں ہوتیں، خواہ کتنی زیادہ ہوں۔ البتہ وہ اگر روزانہ پانچ نمازوں کی قضا کرنا شروع کردے اور جب زیادہ پڑھنے کا موقع ملے زیادہ بھی پڑھے اور ساتھ ہی یہ وصیت بھی کردے کہ جو نمازیں میں اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکوں ان کا فدیہ میرے ترکے سے ادا کیا جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ قبول فرماکر اسکی کوتاہی کو معاف فرمادینگے۔ قضاء عمری کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ اور یہ کہنا کہ قضاء عمری پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، صرف توبہ کافی ہے، گمراہی کی بات ہے، اور جو شخص نماز جیسے بنیادی فریضے میں محض اپنی رائے سے کسی دلیل کے بغیر اس قسم کی گمراہانہ بات کی تلقین اور اس پر اصرار کرے اُس کے دین پر ہرگز پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴

۱۳؍ربیع ۱۴۲۳ھ

جیلوں، چھاؤنیوں اور ایئرپورٹ

پر نماز جمعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اللہ نور السموات والارض

جیلوں، چھاؤنیوں اور ایئرپورٹ پر نماز جمعہ

میں نے اپنے یمن کے سفرنامے میں، جو البلاغ کے ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ کے شمارے میں شائع ہوا ہے، بر سبیل تذکرہ دبئی ایئرپورٹ پر نماز جمعہ ادا کرنے کا ذکر کیا تھا، اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ "اذن عام" کی جو شرط فقہاء کرامؒ نے صحت جمعہ کیلئے ضروری قرار دی ہے، اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس بڑے علاقے میں نماز ادا کی جارہی ہے، وہاں کے لوگوں کو جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہو، خواہ اس بڑے علاقے میں یا باہر کے لوگوں کو انتظامی یا دفاعی اسباب کی بنا پر داخلے کی عام اجازت نہ ہو۔

اس سفرنامے کے شائع ہونے کے بعد بعض حضرات نے مجھے خط میں لکھا کہ اس مسئلے کی تفصیل وضاحت شائع ہونی چاہئے۔ میں نے کئی سال پہلے ایک فتویٰ اس موضوع پر لکھا تھا جو ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوا کہ کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ اسے شائع کردیا جائے۔ چنانچہ ذیل میں وہ فتویٰ شائع کیا جارہا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس فتوے کا اطلاق صرف ایسے ایئرپورٹ پر ہوسکتا ہے جو شہر کے اندر واقع ہو اور اتنا بڑا ایئرپورٹ ہو جس میں افراد کی ایک بڑی جماعت ہروقت موجود رہتی ہو۔ دبئی کا ایئرپورٹ ایسا ہی ہے۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ جیل خانوں میں قیدی

نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں متضاد باتیں سامنے آئی ہیں، اس لئے مسئلے کی تفصیل وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا وتوجروا۔

جیل میں جمعہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء متقدمین کی کتابوں میں کوئی صریح جزیہ مذکور نہیں، اسی بناء پر اس مسئلے میں علماء عصر کے فتوے بھی مختلف رہے۔

اصل اشکال کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے جمعہ کے جواز کی شرائط میں اذن عام کو بھی ذکر فرمایا ہے، اور چونکہ "جیل" میں داخلے کا اذن عام نہیں ہوتا، اس لئے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جمعہ جائز نہیں......... ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ صرف جیل کا نہیں، بلکہ ان تمام فوجی چھاؤنیوں، صنعتی آبادیوں اور ایئرپورٹوں کا بھی ہے جہاں عام لوگوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی، اس لئے یہ تحقیق ضروری ہے کہ "اذن عام" کی شرط کس درجے کی ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ "اذن عام" کی شرط اس وقت تھی جب پورے شہر میں جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو، لیکن جب ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوا، اور عملاً متعدد جگہوں پر جمعہ ہونے لگا تو اب چونکہ اس بات کا اندیشہ نہیں رہا کہ "اذن عام" کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی کا جمعہ فوت ہو جائے گا۔ اس لئے اب یہ شرط باقی نہیں رہی۔ یہ حضرات دلیل میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں:۔

وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره، فإن فتح بابه وأذن للناس إذناً عاماً، جاز صلاته، شهدتها العامة أو لا، وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب

وأجلس البوّابين ليمنع عن الدخول، لم تجزء لأن
اشتراط السلطان لتحرز تفويتها على الناس، وذا لا
يحصل إلا بالإذن العام اهـ قلت: وينبغي أن يكون
محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما
لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت، كما أفاده
التعليل، تأمل۔ (شامی ج ۲ ص ۱۵۲)

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر "اذن عام" کی شرط کی وجہ صرف تفویت جمعہ کا خوف ہو تو جس شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ہوتا ہو وہاں اگر کوئی شخص اپنے ذاتی گھر میں دروازہ بند کر کے جمعہ کی جماعت کر لے تو وہ بھی جائز ہونا چاہئے...... اور یہ کہ جب سے تعدد جمعہ کا رواج ہوا ہے اس وقت سے "اذن عام" کی شرط کو کتب فقہ سے بالکل خارج ہو جانا چاہئے تھا...... یا اگر یہ شرط مذکور ہوتی تو ساتھ ہی یہ تصریح بھی ذکر کرنی چاہئے تھی کہ اب یہ شرط واجب العمل نہیں...... حالانکہ فقہاء تعدد جمعہ کے رواج کے باوجود اس شرط کو ذکر کرتے چلے آرہے ہیں۔

یہ اشکال خاصا قوی ہے۔ لیکن کتب فقہ کی مراجعت کے بعد جو صورت حال نظر آتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱)...... اذن عام کی شرط ظاہر الروایۃ میں موجود نہیں۔ چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

وذكر في النوادر شرطًا آخر لم يذكره في ظاهر الرواية،
وهو اداء الجمعة بطريق الاشتهار، حتى أن أميرا لو جمع
جيشه في الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة
لاتجزئهم۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۹)

چنانچہ صاحب ہدایہ نے بھی اذن عام کی "شرط" ذکر نہیں فرمائی، اسی طرح متعدد فقہاء نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا، جن میں شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علامہ سغدی رحمۃ اللہ علیہ بھی داخل ہیں۔ (ملاحظہ ہو النتف فی الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۰)

(۲)..... نوادر کی اس روایت کے مطابق فقہاء متاخرین نے یہ شرط اپنی کتابوں میں ذکر فرمائی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اذن عام" کے مفہوم میں فقہاء کرام کا کچھ اختلاف رہا ہے، بعض حضرات نے تو اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہو، اسے اس مقام پر آنے کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ برجندی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں:۔

"ای ان یاذن للناس إذنا عاما بأن لایمنع احدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلّی، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار"۔ (شامی ج ۲ ص ۱۵۲)

دوسری طرف بعض حضرات فقہاء کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اذن عام" کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جس آبادی میں جمعہ پڑھا جارہا ہے اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی پوری اجازت ہو، خواہ باہر کے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ علامہ بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"وفی فتح القدیر: إن أغلق باب المدینة لم یجز، وفیه تأمل، فإنه لاینافی الإذن العام لمن فی البلد، وأما من فی خارج البلد فالظاهر أنهم لا یجیئون لإقامة الجمعة، بل ربما یجیئون للشر والفساد"۔ (رسائل الارکان، ص ۱۱۵)

نیز "درمختار" میں کہا گیا ہے کہ:۔

"فلا یضرّ غلق باب القلعة لعدو اولعادة قدیمة، لأن "الإذن العام" مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلّی، نعم: لولم یغلق لکان أحسن، کما فی مجمع الأنهر"۔ (الدرالمختار ص ۱۵۲ ج ۲)

"مجمع الانہر" میں ہے:

"وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفاً من الأعداء، أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به، لأن "الإذن العام" مقدر لأهله، ولكن لو لم يكن لكان أحسن، كما في شرح عيون المذاهب...... وفي البحر والمنح خلافه، لكن ما قررناه أولى، لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع، وعدم المنع، ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه، ولأن غلق بابها لمنع العدو، لا لمنع غيره تدبّر۔ (مجمع الأنهر، ج ۱ ص ۲۴٦، بيروت)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات فقہاء کرام نے "اذن عام" کی شرط کو تفویت جمعہ کے خوف پر مبنی قرار دیا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ "اذن عام" کا پہلا عام مفہوم اس علت کے ساتھ معلول تھا جو تعدد جمعہ کی صورت میں باقی نہیں رہا...... لیکن دوسرا مفہوم اب بھی باقی ہے، کیونکہ وہ اس علت پر مبنی نہیں تھا، بلکہ بقول صاحب بدائع "إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ" الخ کے اشارہ پر مبنی تھا، چنانچہ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"قلت: اطلعت على رسالة للعلامة ابن الشحنة، وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة في قلعة القاهرة، لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة، وليست مصرًا على حدتها۔ وأقول في المنع نظر ظاهر، لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة، و العلة مفقودة في هذه القضية، فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة، لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لايفوت من منع من دخول القلعة الجمعة، بل لو بقيت القلعة مفتوحة لايرغب في طلوعها للجمعة، لوجودها فيما هو أسهل من التكلف

بالصعود لها، وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب، فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها۔" (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۸۰ قدیمی کتب خانہ)

اگرچہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تحت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر اعتراض فرمایا ہے، لیکن علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں "اذن عام" کا وہ عام مفہوم لینے کی ضرورت نہیں جس کے تحت ہر وہ شخص جس پر جمعہ واجب ہو، اس کو وہاں آنے کی اجازت ہو، بلکہ اگر کوئی ایسی آبادی موجود ہو، جس میں گھروں کی یا رہنے والوں کی قابل لحاظ تعداد موجود ہو، اور اس آبادی کے تمام لوگوں کو وہاں جمعہ کیلئے آنیکی اجازت ہو تو یہ بات "اذن عام" کے تحقق کیلئے کافی ہے، بشرطیکہ اس آبادی کے باہر کے لوگوں کو آنے سے ممانعت کرنے کی وجہ نماز سے روکنا نہ ہو، بلکہ کسی دفاعی یا انتظامی وجہ سے مجرد داخلے سے روکنا ہو۔

اگر علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم لیا جائے تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے وارد فرمایا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں "اذن عام" کی شرط فقہاء حنفیہ کے نزدیک بالکلیہ ختم تو نہیں ہوئی، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس آبادی میں (نہ کہ کسی انفرادی گھر میں) جمعہ پڑھا جارہا ہے، اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت ہو، اگر آبادی سے باہر کے لوگوں کو دفاعی یا انتظامی کے پیش نظر اس آبادی میں داخلے سے روکا گیا ہو تو یہ "اذن عام" کے منافی نہیں، بشرطیکہ روکنے کا اصل محرک نماز سے روکنا نہ ہو، بلکہ کوئی دفاعی یا انتظامی ضرورت ہو، اور اس آبادی سے باہر کے لوگ اس پابندی کی بناء پر جمعہ سے محروم نہ ہوتے ہوں۔

اس پر صرف ایک اشکال باقی رہتا ہے، وہ یہ کہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ مسجونین کیلئے جمعہ کے دن اپنی علیحدہ ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۵ ج ۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجونین کیلئے جمعہ جائز نہیں، ورنہ ان کو ظہر کی جماعت کی حاجت ہی نہ ہوتی۔

لیکن اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ کی عبارتوں کی روشنی میں یہ حکم اس دور کا ہے جب جمعہ ایک ہی جگہ سلطان کی قیادت میں ہوتا تھا، اور سلطان کی طرف سے دوسری جگہ اقامت جمعہ کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔۔۔۔ اس کے علاوہ قید خانے بھی مختلف نوعیتوں کے ہوتے تھے، ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ قید خانہ ہو جو کسی ایک ہی گھر یا ایک ہی احاطے پر مشتمل ہو، اور اس پر کسی مستقل آبادی کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو۔

ایک اور احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "بدائع" میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ

"السلطان اذا صلى في فهندزة والقوم مع امراء السلطان في المسجد الجامع قال: ان فتح باب داره وأذن للعامة بالدخول في فهندزة جاز، و تكون الصلاة في موضعين ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لا تجوز صلاة السلطان، وتجوز صلاة العامة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص ۲۶۹)

یہ مسئلہ تعدد جمعہ ہی کی صورت میں مفروض ہے، اس کے باوجود سلطان کے "اذن عام" نہ دینے کی صورت میں نماز جمعہ کو غیر منعقد قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بظاہر اس صورت سے مراد یہ ہے کہ سلطان اپنے محل میں صرف اپنے لشکریوں اور سپاہیوں کے ساتھ نماز پڑھے اور باقی لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ مذکورہ عبارت میں ان فتح باب داره الخ کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا یہاں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ سلطان کا محل اس کی اپنی انفرادی جگہ ہے اور پیچھے گذر چکا ہے کہ انفرادی مقامات پر اس وقت تک جمعہ جائز نہیں ہوتا جب تک اسے عام لوگوں کیلئے کھول نہ دیا گیا ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسی آبادی ہے جس میں متعدد لوگ رہتے ہیں تو اس کو اس جگہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:۔

(۱) اگر کسی شہر میں جمعہ کی اجازت حاکم کی طرف سے صرف ایک جگہ پڑھنے کی ہو تو جمعہ کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہے، اس کو وہاں آکر جمعہ

پڑھنے کی عام اجازت ہو، ایسی عام اجازت کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر کسی کا کوئی انفرادی گھر، محل یا دوکان ہو تو اس میں بھی جمعہ پڑھنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک اس گھر، محل یا دوکان میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیدی گئی ہو، خواہ شہر میں دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو۔

(۳) اگر کوئی آبادی ایسی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں اور وہ شہر کے اندر بھی ہے، لیکن رہائشی، انتظامی یا حفاظتی وجوہ سے اُس آبادی میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وہاں کا داخلہ ان وجوہ کی بنا پر کچھ خاص قواعد کا پابند ہے تو اس آبادی کے کسی حصے میں ایسی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے جہاں اُس آبادی کے افراد کو آکر جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو۔ مثلاً بڑی جیل، فوجی چھاؤنی، بڑی فیکٹریاں ایسے بڑے ائیرپورٹ جو شہر کے اندر ہوں اور ان میں سینکڑوں لوگ ہر وقت موجود رہوں لیکن اُن میں داخلہ کی اجازت مخصوص قواعد کی پابند ہو تو ان تمام جگہوں پہ جمعہ جائز ہوگا بشرطیکہ وہ شہر میں واقع ہو، اور جیل، فیکٹری، ائیرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن کے تمام افراد کو نماز کی جگہ آکر نماز جمعہ پڑھنے کی کھلی اجازت ہو۔

واللہ سبحانہ اعلم

پردہ اور اس کی شرعی حدود

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

الله اکبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پردہ اور اس کی شرعی حدود

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ
وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ!

آج کے دور میں خواتین کے پردہ کا مسئلہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے جس پر طویل گفتگو اور بحث ہوتی رہتی ہے، لہٰذا اس مسئلہ کا جو خلاصہ اور لُبِّ لُباب ہے وہ یہاں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی ھو الموفق والمعین۔

ہمارے اس دور میں عورت کے پردے اور بے پردگی پر بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں سب سے بہترین رسالہ وہ ہے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں لکھا ہے جو "تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب" کے نام سے "احکام القرآن" جلد ثالث کا جز بن کر شائع

ہو چکا ہے، اس رسالے میں حضرت والد صاحبؒ نے اس موضوع کی تمام آیات اور احادیث کو جمع فرما دیا ہے اور پردے کی حدود اور اس کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کے مذاہب اور مفسرین کے اقوال کو بھی بیان فرمایا ہے۔

شرعی پردے کے تین درجے

اس رسالہ میں طویل بحث کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "شرعی پردہ" جس کا قرآن وسنت میں حکم دیا گیا ہے، اس کے تین درجے ہیں (اعلیٰ درجہ، متوسط درجہ اور ادنیٰ درجہ) اور ہر درجہ پردے اور ستر کے لحاظ سے دوسرے سے بلند اور اعلیٰ ہے اور فوقیت رکھتا ہے اور یہ تمام درجات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور ان میں سے کوئی درجہ منسوخ نہیں ہوا۔ البتہ مختلف حالات میں خواتین کی طرف مختلف درجات کا حکم متوجہ ہوتا رہتا ہے، وہ تین درجے مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا درجہ

خواتین کا اپنے جسم کو گھر کی چاردیواری یا پردے اور ھودج وغیرہ میں اس طرح چھپانا کہ ان کی ذات اور ان کے لباس اور ان کی ظاہری اور چھپی زینت کا کوئی حصہ اور ان کے جسم کا کوئی حصہ چہرہ اور ہتھیلیں وغیرہ کسی اجنبی مرد کو نظر نہ آئے۔

دوسرا درجہ

خواتین کا برقع یا چادر کے ذریعہ اس طرح پردہ کرنا کہ چہرہ، ہتھیلیاں اور پورے جسم کا کوئی حصہ اور زینت کا لباس نظر نہ آئے بلکہ عورت کا پورا جسم سر سے لے کر پاؤں تک ڈھکا ہوا نظر آئے۔

تیسرا درجہ

خواتین کا چادر وغیرہ سے اس طرح پردہ کرنا کہ اس کا چہرہ، ہتھیلیاں اور اس کے قدم کھلے ہوئے ہوں۔

پہلا درجہ اصل ہے اور اس کا ثبوت

خواتین کے پردے میں اصل تو پہلا درجہ ہے۔ وہ یہ کہ عورت اپنے گھر کے اندر رہے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے (ضرورتوں کا بیان انشاء اللہ آگے آجائے گا) اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (سورۃ الاحزاب۔۳۳)

ظاہر ہے کہ یہ حکم ازواج مطہرات کے لئے خاص نہیں ہے، اس لئے کہ اس آیت سے پہلے اور اس آیت کے بعد جو احکام ہیں وہ بالاجماع امہات المومنین کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ

حجاب۔ (سورۃ الاحزاب:۵۳)

یعنی جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی اور اسی وقت ان کے اور دوسرے مردوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا گیا۔

اسی طرح مندرجہ ذیل احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) ۔ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: المرأۃ عورۃ، فإذا خرجت استشرفها الشیطان ۔ اخرجه الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح غریب ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔

ابن خزیمہ اور ابن حبان بھی اپنی اپنی صحیحین میں یہ حدیث لائے ہیں اور ان میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:

واقرب ماتکون من وجه ربها وهی فی قعر بیتها ۔

یعنی عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دیکھئے: (الترغیب للمنذری ج ۱ ص ۱۳۶)

(۲) ۔ عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر في صورة شيطان۔ (مسلم: ج ۱: ۴۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے۔

(۳)۔عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: خرجت سودة رضي الله تعالى عنها بعد ماضرب عليها الحجاب لتقضي حاجتها وكانت امرأة جسيمة تفرع النساء جسما لا تخفى على من يعرفها فرأها عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: يا سودة! والله ماتخفين علينا فانظري كيف تخرجين قالت فانكفأت راجعة و رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي وانه ليتعشى وفي يده عرق فدخلت فقالت: يا رسول الله ﷺ! إني خرجت فقال لي عمر كذا وكذا قالت:

فأوحي ثم رفع عنه وأن العرق في يده
ماوضعه فقال: إنه قد اذن لكن أن تخرجن
لحاجتكن۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ پردہ کے احکام نازل ہو جانے کے بعد حضرت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضاء حاجت کے لئے گھر سے باہر نکلیں، چونکہ حضرت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جسیم تھیں اور عام خواتین کے مقابلے میں دراز قد تھیں، اس لئے جو لوگ آپ کو پہچانتے تھے ان سے آپ مخفی نہیں رہ سکتی تھیں، چنانچہ جب آپ باہر نکلیں تو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دیکھا اور فرمایا کہ اے سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اللہ کی قسم، تم ہم پر مخفی نہیں رہ سکتیں، لہٰذا سوچ لو تم کیسے نکلو گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ سن کر واپس لوٹیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں تھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں گوشت والی ہڈی تھی، حضرت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر میں داخل ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گھر سے نکلی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، پھر وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور وہ ہڈی اب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ میں تھی اور آپ ﷺ نے اس کو ابھی تک نہیں رکھا تھا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب عورتوں کو حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب اباحة الخروج للنساء لقضاء حاجة الانسان)

اس حدیث کے یہ الفاظ کہ:

قد اُذِنَ لکن ان تخرجن لحاجتکن۔

اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ خواتین کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت "حاجت" کے ساتھ محدود ہے، حاجت کے علاوہ خواتین اپنے گھروں میں ہی رہیں۔

(۳) ۔ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: صلاۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلا تھا فی حجرتھا وصلا تھا فی مخدعھا افضل من صلا تھا فی بیتھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت کا اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر کے اندر نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اندرون گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(اخرجه ابو داؤد واخرجه الحاکم فی المستدرک عن ام سلمة کمافی کنزالعمال ۸: ۲۵۹، واخرجه ابن خزیمة فی صحیحه کمافی الترغیب

للمنذری ۱:۳۵۱)

(۵) ۔ عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدی أنها جاءت النبي صلی اللّٰہ عليه وسلم فقالت: يا رسول اللّٰہ ﷺ! إني أحب الصلاة معك، قال: علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلا تك في بيتك خيرلك من صلاتك في حجرتك و صلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك و صلاتك في دارك خيرلك من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خيرلك من صلاتك في مسجدی قال: فأمرت فبنی لها مسجد في أقصی شئی من بيتها و أظلم فكانت تصلّی فيه حتی لقيت اللّٰہ عزّوجلّ۔

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کروں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے، مگر تمہاری نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھو، اس نماز

سے افضل ہے جو تم گھر کے بیرونی دالان میں پڑھو، اور دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو، اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو کہ تمہارے گھر سے قریب ہو) نماز پڑھو، اور اپنے قبیلے کی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گھر کے اندرونی اور تاریک حصے میں نماز کی جگہ بنوائی اور پھر موت تک اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں۔

(اخرجه احمد في مسنده ٦: ٣٧١، ونسبه ابن حجر في الاصابة من هذا الطريق الى ابن ابي خيثمة، وهذا اسناد صحيح، ونقل الشوكاني في نيل الاوطار ٣: ١٦٠ عن ابن حجر أنه قال: اسناده حسن، وذكره المنذري في الترغيب ١: ١٣٥ وقال: رواه احمد وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما)

(٦) ۔ عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ وہ نکلنے پر مجبور ہوں۔

(اخرجه الطبراني، كما في كنز العمال ٨: ٢٦٣)

مندرجہ بالا احادیث بالکل وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ گھر کے ذریعہ پردہ کرے اور اپنی ذات کو اجنبی مردوں سے مخفی رکھے، ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

حجاب کے دوسرے درجے کا ثبوت

لیکن بعض اوقات عورت کو اپنی حوائج طبعیہ کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس صورت میں اس کو اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ برقع سے یا چادر سے اپنے آپ کو اس طرح چھپالے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، یہ حجاب کا دوسرا درجہ ہے۔

حجاب کا یہ دوسرا درجہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ۔

(الاحزاب: ۵۹)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادریں لٹکالیا کریں۔ ظاہر ہے کہ عورت کے اوپر چادر لٹکانے سے مقصود یہ ہے کہ اس کا پورا بدن حتی کہ اس کا چہرہ بھی چھپ جائے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق "جلباب" اس چادر کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے لے کر نیچے تک پورے جسم کو چھپائے۔ اور امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی

کتاب ''المحلّٰی'' میں فرماتے ہیں:

والجلباب فی لغة العرب التی خاطبنا بها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم هو ما غطّی جمیع الجسم لا بعضه۔

وہ لغت عرب جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے،اس لغت میں ''جلباب'' اس چادر کو کہا جاتا ہے جو پورے بدن کو چھپالے، نہ کہ وہ چادر جو بعض جسم کو چھپالے۔

ابن جریر اور ابن المنذر وغیرہ نے حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانی سے اس آیت:

یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ۔

کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اس کے اندر اپنے کو لپیٹ لیا اور اپنا پورا سر پلکوں تک اس کے اندر چھپالیا اور اپنا چہرہ بھی ڈھانپ لیا، البتہ صرف اپنی بائیں آنکھ بائیں کنارے سے نکال لی۔

(روح المعانی ۲۲:۸۹)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی عورتوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں کے ذریعہ اپنے چہروں کو اپنے سروں کے اوپر سے ڈھانپ لیں اور صرف ایک آنکھ کھولیں۔ (تفسیر ابن جریر ۲۲:۴۹)

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ عورت اپنے جلباب کو اپنی پیشانی سے موڑ کر باندھ لے اور پھر اپنی ناک پر موڑ لے، اگرچہ دونوں آنکھیں ظاہر ہو جائیں، لیکن اپنے سینے کو اور چہرے کے اکثر حصے کو چھپالے۔ (روح المعانی ۲۲:۸۹)

بہر حال! یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ عورت جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلے تو اس کے لئے شرعاً یہ حکم ہے کہ اپنے چہرے کا ستر کر کے نکلے۔ اسی طرح قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت بھی اسی بات پر دلالت کر رہی ہے:

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ۔

(سورۃ النور: ۶۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں "وضع ثیاب" سے جسم کے تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہے بلکہ وضع ثیاب سے مراد "وضع جلباب اور وضع رداء" یعنی وہ اوپری اور ظاہری کپڑے اتارنا مراد ہے جس کے اتارنے کے نتیجے میں کشف عورت نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت میں آنے والے لفظ "ثیاب" کی تفسیر "جلباب اور رداء" سے کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت

ابوالشعثاء، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن، حضرت قتادہ، امام زہری اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی لفظ ثیاب کی یہی تفسیر کی ہے۔ لہٰذا یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ "وضع جلباب" کا حکم جو "کشف الوجہ" کو مستلزم ہے، صرف ان بوڑھی عورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کو آئندہ نکاح کی امید نہیں ہے، لیکن جہاں تک جوان عورتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے اجانب کے سامنے جلباب اتارنا اور اپنا چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

حضرات صحابیاتؓ اور پردہ

احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی جب کسی ضرورت سے باہر نکلتی تھیں تو جلباب اور رداء سے مستور ہو کر نکلتی تھیں اور اجانب کے سامنے اپنے چہرے نہیں کھولتی تھیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں:

۱۔ عن قيس بن شماس رضي الله عنه قال: جاءت امرأة النبي صلى الله عليه وسلم، يقال لها ام خلاد، وهي منتقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول، فقال لها بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: جئت تسألين عن ابنك وأنت منتقبة؟ فقالت: إن أرزأ ابني فلن أرزأ حيائي، فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم: له أجر شهيدين، قالت:
ولم ذاك يا رسول الله ؟ قال: لأنه قتله أهل
الكتاب ۔

(ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فضل قتال الروم)

حضرت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک خاتون جن کو اُم خلاد کہا جاتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئیں کہ ان کے چہرے پر نقاب تھا اور آ کر اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے لگیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی صحابی نے ان خاتون سے کہا کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو، اس کے باوجود تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا ہے؟ ان خاتون نے جواب دیا کہ اگر میرے بیٹے پر مصیبت آئی ہے تو میری حیاء پر تو مصیبت نہیں آئی۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا، ان خاتون نے پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا کیوں ہے؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لئے کہ اس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔

۲۔عن أم عطية رضي الله عنها ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج
الأبكار والعواتق و ذوات الخدور والحيض

فی العیدین فاما الحیّض فیعتزلن المصلّی

ویشھدن دعوۃ المسلمین، قالت احدا ھن

یا رسول اللّٰہ! ان لم یکن لہا جلباب؟ قال:

فلتعرھا اختہا من جلبابہا۔ ھذا الحدیث

اخرجہ عدہ من اصحاب الصحاح۔

(ترمذی: باب خروج النساء فی العیدین۔ رقم ۵۳۹)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقع پر کنواری اور دوشیزہ اور پردہ دار اور حیض والی عورتوں کو نکالتے تھے مگر حیض والی خواتین عیدگاہ سے الگ رہتی تھیں، البتہ مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شریک ہوتی تھیں، ایک خاتون نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کسی کے پاس جلباب نہ ہو تو (وہ کس طرح عیدگاہ میں حاضر ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بہن اپنے جلباب سے اس کو ڈھانپ لے۔

۳۔ عن حفصۃ بنت سیرین و لفظہ "فقالت

یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی

احدانا بأس اذا لم یکن لہا جلباب ان

لاتخرج؟ فقال: لتلبسہا صاحبتہا من جلبابہا"

(بخاری فی العیدین، رقم: ۹۸۰)

حضرت حفصہ بنت سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم میں سے کسی کے پاس جلباب نہ ہو تو کیا اس پر گناہ ہے اگر وہ (عیدگاہ کی طرف) نہ نکلے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس کی سہیلی اپنا جلباب اس کو پہنا دے۔

۴۔عن ام سلمۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قالت:
لمّا نزلت ھذہ الآیۃ " یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِھِنَّ" خرج نساء الأنصار کأنّ علی رؤوسھن الغربان من السکینۃ و علیھن أکسیۃ سود یلبستھا۔ (روح المعانی ۸۹:۲۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت:

یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِھِنَّ

نازل ہوئی تو انصار کی خواتین اپنے گھروں سے اس طرح نکلیں کہ گویا ان کے سر اس طرح بے حرکت تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور ان کے اوپر کالا کپڑا تھا جس کو وہ پہنی ہوئی تھیں۔

۵۔عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت: رحم اللّٰہ تعالٰی نساء الأنصار لمّا نزلت: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ الآیۃ، شققن

مروطهن فاعتجرن بها فصلين خلف رسول
الله صلی الله علیه وسلم کأنما علی رؤسهن
الغربان۔ (روح المعانی ۸۹:۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے، جب قرآن کریم کی یہ آیت:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ الخ

نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑیں اور ان کو اوڑھنیاں بنالیں، پس وہ عورتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس طرح نماز پڑھتیں گویا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔

۱۔ عن عائشة رضی الله عنها قالت: کان
الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول الله
صلی الله علیه وسلم محرمات فاذا حاذوا
بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها علی
وجهها فإذا جاوزونا کشفناه۔

(ابو داؤد، فی الحج، باب المحرمة تغطی وجهها، رقم: ۱۸۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں تھے، اس وقت ہمارے پاس سے لوگوں کی سواریاں گزر رہی تھیں، جب وہ سواریاں ہمارے قریب

آتیں تو ہم اپنی چادریں سر کے اوپر سے چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب وہ سواریاں آگے گزر جاتیں تو ہم اپنا چہرہ کھول لیا کرتی تھیں۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نزول حجاب کے بعد چادروں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے کا التزام کرتی تھیں اور گھر سے نکلتے وقت اس چادر کو اپنے چہرے پر بھی لٹکا لیا کرتی تھیں۔ اور آخری حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ پردے کا یہ اہتمام دوسرے حالات میں تو مستقل طور پر تھا ہی، حتیٰ کہ حالت احرام میں جب کہ چہرے پر کپڑا کا چھونا شرعاً ممنوع ہے، اس وقت بھی چہرے کے پردے کا اہتمام فرمایا۔

حجاب کے تیسرے درجے کا ثبوت

حجاب کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب عورت گھر سے باہر نکلے تو اس کا پورا بدن سر سے لے کر پاؤں تک ڈھکا ہوا ہو، البتہ ضرورت کے وقت اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں کھول دے بشرطیکہ فتنے سے مامون ہو۔ حجاب کے اس تیسرے درجہ پر قرآن کریم کی سورۃ نور کی یہ آیت دلالت کر رہی ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (سورۃ النور: ۳۱)

یعنی آپ (ﷺ) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں کھلی چیز ہے۔ "مَاظَهَرَ مِنْهَا" کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان حضرات نے "مَاظَهَرَ مِنْهَا" کی تفسیر "وجہ اور کفین" سے کی ہے، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابوالشعثاء، حضرت امام ضحاک اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "مَاظَهَرَ مِنْهَا" کی تفسیر چادر اور جلباب سے کی ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ عورت کے لئے ضرورت کے وقت چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے۔ اور مندرجہ ذیل احادیث بھی اس پر دلالت کر رہی ہیں:

۱۔ عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن اسماء بنت أبي بكر دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم و عليها ثياب رقاق فاعرض عنها وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح أن يرى منها إلا هذا و هذا وأشار الى وجهه و كفيه۔ (ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے اوپر باریک کپڑے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا اور ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے اور آپ ﷺ نے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا:

۲ ۔ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه في قصة رجوع رسول الله صلى الله عليه وسلم من المزدلفة انه صلى الله عليه وسلم اردف الفضل بن عباس وأتى الجمرة فرماها ثم أتى المنحر وفيه "واستفتته جارية شابة من خثعم فقالت: ان ابي شيخ كبير قد أدركته فريضة الله في الحج افيجزى أن أحج عنه؟ قال: حجي عن أبيك، قال: ولوى عنق الفضل فقال العباس: يا رسول الله! لم لويت عنق ابن عمك؟ قال: رأيت شابا وشابة فلم آمن الشيطان عليهما"

(ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء ان عرفة كلها موقف)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزدلفہ سے واپس لوٹنے کے واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور پھر آپ ﷺ جمرۃ کے پاس آئے اور رمی فرمائی اور پھر آپ منحر میں تشریف لے گئے (جس جگہ اونٹوں کو نحر کیا جاتا تھا) اور اسی روایت میں یہ ہے کہ اس دوران قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان عورت آپ کے پاس آئی اور آپ سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے باپ بہت بوڑھے ہوچکے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہو چکا ہے، اگر میں ان کی طرف سے حج کرلوں تو یہ حج ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کی طرف سے حج ادا کرلو۔ اس گفتگو کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا چہرہ پھیر دیا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنے چچازاد بھائی کا چہرہ کیوں پھیر دیا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نوجوان مرد و عورت کو دیکھا تو میں ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔

وأخرج أبو يعلى عن الفضل بن عباس قال:

”كنت ردف رسول الله صلى الله عليه وسلم وأعرابي معه ابنة له حسناء فجعل الأعرابي يعرضها على رسول الله صلى الله

علیه وسلم رجاء أن يتز وجها قال: فجعلت
ألتفت إليها وجعل رسول الله صلى الله
عليه وسلم يأخذ برأسي فيلويه" ذكره
الهيثمي في كتاب النكاح من مجمع
الزوائد ۴:۲۷۷، وقال: رجاله رجال
الصحيح، فاما أن يكون هذافي واقعة أخرى
واما أن يكون احد الرواة وهم في بيان ان
البنت كانت للأ عرابي - وان حديث
الترمذي صريح في أن اباها لم يكن معها،
والله أعلم۔

ابو یعلیٰ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا اور ایک اعرابی تھا جس کے ساتھ اس کی خوبصورت بیٹی تھی، وہ اعرابی اپنی بیٹی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امید پر پیش کر رہا تھا کہ آپ اس سے نکاح فرمالیں، حضرت فضل فرماتے ہیں کہ میں اس کی طرف دیکھنے لگا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر پکڑ کر اس کی طرف سے پھیر دیا۔

اس واقعہ کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی کتاب الاستیذان میں حدیث نمبر ۶۲۲۸ میں اس طرح ذکر فرمائی ہے کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ولفظه
"اردف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الفضل بن عباس یوم النحر خلفه علی عجز
راحلته، وکان الفضل رجلا وضیئاً، فوقف
النبی صلی اللہ علیہ وسلم للناس یفتیهم
واقبلت امراۃ من خثعم وضیئة تستفتی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطفق
الفضل ینظر الیها واعجبه حسنها فالتفت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم والفضل ینظر
الیها فاخلف بیده فاخذ بذقن الفضل فعدل
وجهه عن النظر الیها" ۔ الحدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے دن حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی سواری کے پچھلے حصے پر بٹھایا اور حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوبصورت تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سوالات کے جواب دینے کے لئے رک گئے، اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک خوبصورت عورت آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگی، حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور اس عورت کے حسن

نے ان کو تعجب میں ڈال دیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کیا اور پھر ان کی تھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے پھیر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے سیاق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس عورت کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ وہ عورت خوبصورت تھی اور اس کے حسن نے حضرت فضلؓ کو متعجب کر دیا اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کو اس عورت کی طرف سے پھیر دیا لیکن اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا، اس لئے کہ وہ عورت حالت احرام میں تھی۔ اور شاید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے بھی چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا ہو کہ شدید ازدحام میں چہرہ کا پردہ کرنے کی صورت میں گر جانے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ بہرحال! یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عورت کا سارا بدن چھپا ہوا ہو تو ضرورت کے وقت اس کے لئے چہرہ کھولنا جائز ہے۔

۳۔ عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ: أن امرأۃ جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یا رسول اللہ! جئت لأھب لک نفسی فنظر الیھا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فصعد النظر الیھا وصوّبہ ثم طأطأ راسہ۔

(اخرجہ البخاری فی باب النظر الی المرأۃ قبل التزوج، رقم: ۵۱۲۵)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے آئی ہوں تاکہ اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لئے ہبہ کر دوں، پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو دیکھا اور اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا اور نظر نیچی کر لی اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت اس خاتون کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اسی واقعہ سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں۔ (دیکھئے مبسوط، ۱۰: ۱۵۲)

جہاں تک عورت کے چہرے اور ہتھیلی کی طرف دیکھنے کے سلسلے میں فقہاء کے مذاہب کا تعلق ہے تو تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر لذت حاصل کرنے کی نیت سے دیکھتا ہو یا دیکھنے کے نتیجے میں ایسے فتنہ کا اندیشہ ہو جو مفضی الی الخلوۃ ہو تو اس صورت میں دیکھنا جائز نہیں بلکہ ایسی صورت میں عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنے کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لیکن اگر مرد فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو اور دیکھنے سے لذت حاصل کرنا بھی مقصود نہ ہو تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا جائز

ہے اور اکثر شوافع اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مختار مذہب مطلقاً عدم جواز کا ہے اگرچہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

عورت کی طرف دیکھنے کے مسئلے میں احناف کا مذہب

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يباح النظر الى موضع الزينة الظاهرة منهن دون الباطنة لقوله تعالى: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۔ وقال علي وابن عباس رضي الله تعالى عنهم: ماظهر منها: الكحل والخاتم وقالت عائشة رضي الله عنها: احدى عينيها وقال ابن مسعود رضي الله عنه: خفها وملاء تها ۔ واستدل في ذلك بقوله صلى الله عليه وسلم: النساء حبائل الشيطان، بهن يصيد الرجال ...... ولان حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها في وجهها فخوف الفتنة في النظر الى وجهها اكثر منه الى سائر الأعضاء ۔ وبنحو

هذا تستدل عائشة رضی الله عنها ولکنها تقول: هی لا تجد بداً من أن تمشی فی الطریق فلابد من ان تفتح عینها لتبصر الطریق فیجوزلها أن تکشف احدی عینیها لهذه الضرورة والثابت بالضرورة لا یعدو موضع الضرورة۔ (المبسوط للسرخسی، ۱۰:۱۵۲)

یعنی عورتوں کی زینت ظاہرہ کے مواضع کی طرف دیکھنا مباح ہے، زینت باطنہ کی طرف دیکھنا مباح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خواتین اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلی چیز ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ: "مَاظَهَرَ مِنْهَا" سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "مَاظَهَرَ مِنْهَا" سے مراد ایک آنکھ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "مَاظَهَرَ مِنْهَا" سے مراد موزے اور چادر ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عورتیں شیطان کے لئے جال ہیں، اس سے وہ مردوں کا شکار کرتا ہے"۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دیکھنے کی حرمت فتنے کے خوف کی وجہ سے ہے اور عورت کے اکثر محاسن اس کے چہرے ہی میں ہوتے ہیں، اس لئے دوسرے اعضاء کی طرف دیکھنے کے مقابلے میں چہرے کی طرف دیکھنے میں فتنہ کا خوف زیادہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انہی دلائل سے

استدلال فرماتی ہیں، البتہ وہ یہ فرماتی ہیں کہ عورت کے لئے راستہ میں چلنے سے مفر نہیں ہے اور راستہ دیکھنے کے لئے آنکھ کھولنا ضروری ہے، لہذا اس ضرورت کے لئے عورت کو ایک آنکھ کھولنا جائز ہے، البتہ جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ موقع ضرورت سے متجاوز نہیں ہوتی۔

اس کے بعد امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولکنا نأخذبقول علی وابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما فقد جاءت الأخبار فی الرخصة بالنظرالی وجهها وکفیها، من ذلک ماروی أن امرأة عرضت نفسها علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فنظر الی وجهها فلم یرفیها رغبة ولما قال عمر رضی اللہ عنه فی خطبته: ألا لا تغالوا فی أصدقة النساء، فقالت امرأة سفعاء الخدین: انت تقوله برأیک ام سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم؟ فانا نجد فی کتاب اللہ تعالی بخلاف ماتقول ...... فذکر الراوی أنها کانت سفعاء الخدین، وفی هذا بیان أنها کانت مسفرة عن وجهها - ورأی رسول

الله صلى الله عليه وسلم كف امرأة غير مخضوب فقال: أكف رجل هذا؟ ولما ناولت فاطمة رضي الله عنها أحد ولديها بلالاً أو انساً رضي الله عنهم قال انس: رأيت كفها كانها فلقة قمر. فدل على أنه لابأس بالنظر الى الوجه والكف فالوجه موضع الكحل والكف موضع الخاتم۔

لیکن ہم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول کو اختیار کریں گے، اس لئے کہ چہرے اور ہتھیلی کی طرف دیکھنے کے جواز میں احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان خاتون کے چہرے کی طرف دیکھا، پس آپ ﷺ نے ان خاتون میں کوئی رغبت محسوس نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ خبردار! عورتوں کے مہر کو زیادہ نہ بڑھاؤ، تو ایک خاتون جس کے رخسار سرخی مائل سیاہ تھے، کھڑی ہوئی اور کہا کہ یہ بات تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ اس لئے کہ ہم قرآن کریم میں اس کے خلاف پاتے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں۔ اس حدیث کے راوی کا یہ بیان کرنا کہ وہ خاتون سرخی مائل سیاہ

رخسار والی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کے ہاتھ کو دیکھا کہ اس پر مہندی لگی ہوئی نہیں تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ کسی مرد کا ہاتھ ہے؟

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حضرت بلال یا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ کیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتھیلی دیکھی گویا کہ وہ چاند کا ایک ٹکڑا تھی۔ لہذا یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ چہرے یا ہتھیلی کی طرف نظر کرنے میں کوئی حرج نہیں، پس چہرہ سرمہ لگانے کی جگہ ہے اور ہتھیلی انگوٹھی کی جگہ ہے۔

امام سرخسیؒ مزید فرماتے ہیں:

ثم لاشك أنه يباح النظر إلى ثيابها ولا يعتبر خوف الفتنة في ذلك، فكذلك الى وجهها وكفها - وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة أنه يباح النظر الى قدمها ايضاً وهكذا ذكر الطحاوي، لأنها كما تبتلى بابداء وجهها في المعاملة مع الرجال و بابداء كفها في الأخذ والإعطاء، تبتلى بابداء

قدميها اذا مشت حافية او متنعلة وربما لا
تجد الخف في كل وقت۔ وذكر في جامع
البرامكة عن ابي يوسفؒ انه يباح النظر الى
ذراعيها أيضا، لأنها في الخبز و غسل
الثياب تبتلي بابداء ذراعيها أيضا ۔ قيل:
وكذلك يباح النظر الى ثنايا ها أيضا لأن
ذلك يبدو منها عند التحدث مع الرجال۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے کپڑے کی طرف دیکھنا مباح ہے اور اس
میں فتنہ کے خوف کے اندیشے کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا، لہٰذا اسی طرح عورت
کے چہرے اور ہتھیلی کی طرف دیکھنا بھی مباح ہے۔ حضرت حسن بن زیادؒ امام
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت کے قدم کی طرف دیکھنا
بھی مباح ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، اس
لئے کہ جس طرح مردوں کے ساتھ معاملات کے وقت عورت کو اپنا چہرہ
کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور جس طرح لیتے وقت اور دیتے وقت
اپنی ہتھیلی کے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح ننگے پاؤں یا جوتے
کے ساتھ چلنے کے دوران قدم کھولنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، کیونکہ
اس کو ہر وقت موزے تو میسر نہیں آسکتے۔

جامع البرامکۃ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ

عورت کے بازو کی طرف نظر کرنا بھی مباح ہے، اس لئے روٹی پکاتے وقت اور کپڑے دھوتے وقت اس کو اپنے بازو کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورت کے سامنے کے دانتوں کی طرف دیکھنا بھی مباح ہے، اس لئے کہ مردوں سے بات کرتے وقت دانت ظاہر ہو جاتے ہیں۔

آگے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهذا كله اذالم يكن النظر عن شهوة، فان كان يعلم أنه ان نظر اشتهى، لم يحل له النظرالى شئى منها، لقوله صلى الله عليه وسلم: من نظر الى محاسن اجنبية عن شهوة صبّ فى عينيه الآنك يوم القيامة وقال لعلى رضى الله عنه: لاتتبع النظرة النظرة فان الأولى لك و الأخرىٰ عليك؛ يعنى بالأخرىٰ ان يقصدها عن شهوة ..... وكذلك ان كان اكبر رأيه أنه إن نظر اشتهى، لأن أكبر الرأى فيما لا يوقف على حقيقته كا ليقين۔

(المبسوط للسرخسی ج ۱۰، ص ۱۵۲)

یعنی یہ مندرجہ بالا ساری تفصیل اس وقت ہے جب وہ شہوت کی نظر نہ ہو،

لیکن اگر مرد یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے عورت کی طرف نظر کی تو اس کے دل میں اس کی رغبت پیدا ہو جائے گی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے عورت کے ان اعضاء میں سے کسی عضو کی طرف بھی دیکھنا حلال نہیں، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی اجنبی عورت کے محاسن کی طرف شہوت سے دیکھا تو قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو، اس لئے کہ پہلی نگاہ تمہارے لئے حلال ہے اور دوسری نگاہ تم پر وبال ہے، یعنی اگر دوسری نگاہ شہوت کے قصد سے ڈالی گئی ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب مرد کی غالب رائے یہ ہو کہ اگر اس نے عورت کی طرف نگاہ ڈالی تو اس کے دل میں اس کی طرف میلان ہو جائے گا، کیونکہ جس چیز کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکتے ہوں، اس کے اندر غالب رائے یقین کا درجہ رکھتی ہے۔

مالکیہ کا مذہب

جہاں تک مالکیہ کے مذہب کا تعلق ہے تو ان کا مذہب وہ ہے جو امام خرشی رحمۃ اللہ علیہ نے "مختصر خلیل" کے حاشیہ پر لکھا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

عورة الحرة مع الرجل الأجنبي جميع بدنها
حتى دلاليها و قصتها ماعدا الوجه والكفين

ظاهرهما و باطنهما فجوز النظر لهما بلالذة ولا خشية فتنة من غير عذر ولو شابة۔
وقال مالكؒ: تأكل المرأة مع غير ذی محرم ومع غلامها وقد تأكل مع زوجها وغيره ممن يؤاكله۔ ابن القطان: وفيه اباحة ابداء المرأة وجهها ويديها للأجنبي، اذلا يتصور الأكل الا هكذا۔

(حاشية الخرشي على مختصر خليل، ۱:۲۴۷)

یعنی آزاد عورت کا پورا بدن اجنبی مرد کے لئے ستر ہے، یہاں تک کہ عورت کا ناز و انداز اور اس کی بات چیت بھی، سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے ظاہری اور باطنی حصوں کے، لہٰذا ان دونوں اعضاء کی طرف لذت کے بغیر اور فتنہ کے خوف کے بغیر بلا عذر بھی نظر کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ خاتون جوان ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے غیر ذی محرم اور اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھا سکتی ہے، اس لئے کہ بعض اوقات اس کو اپنے شوہر کے ساتھ کھانا پڑتا ہے جبکہ شوہر کے ساتھ دوسرے لوگ بھی کھانا کھا رہے ہوں۔ ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے عورت کے لئے اجنبی کے سامنے اپنا چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھ کھولنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ان دونوں اعضاء کو کھولے بغیر کھانا کھانے کا تصور نہیں ہے۔

"شرح المواق" میں یہی عبارت مع اضافہ موجود ہے، دیکھئے: شرح المواق مع الحطاب ۱:۴۹۹۔

امام علیش "منح الجلیل" میں فرماتے ہیں:

فیجوز لہا کشفہما (ای الوجہ والکفین) للأجنبی ولہ نظرہما ان لم تخش الفتنۃ، فإن خیفت الفتنۃ بہ فقال ابن مرزوق: مشہور المذہب وجوب سترہما۔

(منح الجلیل ۱:۲۲۲)

پس عورت کے لئے اجنبی مرد کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے اور مرد کے لئے ان دونوں کی طرف نظر کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، البتہ اگر فتنہ کا خوف ہو تو اس کے بارے میں ابن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مشہور مذہب یہ ہے کہ عورت کے لئے ان کو چھپانا واجب ہے۔

(مواہب الجلیل للحطاب میں بھی اسی طرح موجود ہے، دیکھئے ج ۱ ص ۴۹۹، ۵۰۰)

شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کا مذہب وہ ہے جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح میں "منہاج" سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ویحرم نظر فحل بالغ الی عورۃ حرۃ کبیرۃ

أجنبية و كذا وجهها و كفيها عند خوف فتنة
و كذا عند الامن على الصحيح۔

یعنی بالغ مرد کے لئے آزاد اجنبی بڑی عورت کی طرف نظر کرنا حرام ہے، اسی
طرح فتنہ کے اندیشہ کے وقت اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا
بھی حرام ہے اور صحیح قول کے مطابق فتنہ سے امن کے وقت بھی یہی حکم ہے۔
مندرجہ بالا عبارت کے تحت علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے
ہیں:

قوله: على الصحيح، و وجهه الامام باتفاق
المسلمين على منع النساء من الخروج
سافرات الوجوه، وبأن النظر مظنّة الفتنة و
محرّك للشهوة ...... والثاني (أى القول
الثاني) لايحرم۔ ونسبه الامام للجمهور
والشيخان للأكثرين، وقال في المهمات:
انه الصواب لكون الأكثرين عليه ۔ وقال
البلقيني: الترجيح بقوة المدرك و الفتوى
على مافي المنهاج ...... ومانقله الامام من
الاتفاق على منع النساء أى منع الولاة لهن
معارض بماحكاه القاضي عياض عن

العلماء أنه لايجب على المرأة ستر وجهها
في طريقها، وانما ذلك سنة وعلى الرجال
غض البصر عنهن للآية ـ وحكاة المصنف
(أي النووي) في شرح مسلم واقرّه عليه ـ
وقال بعض المتأخرين: إنه لاتعارض في
ذلك بل منعهن من ذلك لا لأنّ الستر واجب
عليهن في ذاته بل لأن فيه مصلحة عامّة
وفي تركه اخلال بالمروءة اهـ وظاهر
كلام الشيخين ان الستر واجب لذاته
فلايتأتي هذاالجمع وكلام القاضي ضعيف ـ

(راجع مغني المحتاج، ج ۳، ص۱۲۸، ۱۲۹، ومثله في نهاية المحتاج، ج ۶، ص ۱۸۴، ۱۸۵)

یعنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو چہرہ کھول کر گھر سے باہر نکلنے سے روکا جائے اور اس لئے بھی کہ ''نظر'' فتنہ کی جگہ اور شہوت کے لئے محرک ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرد کا عورت کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسرے قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور شیخین نے اس کو اکثر شوافع کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''مہمات'' میں ہے کہ یہ شیخین کی بات زیادہ درست ہے، اس لئے کہ اکثر شوافع اس پر عمل کرتے ہیں، امام بلقینی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الترجیح بقوۃ المدرک، اور فتویٰ "منہاج" میں بیان کئے ہوئے قول پر ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح مسلم میں جو مسلمانوں کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ عورتوں کے سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ ان کو چہرہ کھول کر گھر سے باہر نکلنے سے روکیں، ان کا یہ قول قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معارض ہے جس میں انہوں نے علماء کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ عورتوں کے لئے راستے میں چہرہ ڈھانپنا واجب نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا سنت ہے، البتہ آیت قرآنی کی وجہ سے مردوں پر ان عورتوں سے غض بصر واجب ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اسی قول کو نقل فرمایا ہے اور اسی کو برقرار رکھا ہے۔ البتہ بعض متأخرین فرماتے ہیں کہ ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ جس قول میں عورتوں کو چہرہ کھول کر باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے، یہ اس لئے منع نہیں کیا گیا کہ بالذات ان کو چہرے کا چھپانا واجب ہے بلکہ مصلحت عامّہ کی وجہ سے ان کو منع کیا گیا ہے اور اس کے ترک سے مروءۃ میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور شیخین کے ظاہری کلام سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ چہرے کا چھپانا واجب لذاتہ ہے، لہٰذا دونوں قول جمع نہیں ہوسکتے اور قاضی عیاضؒ کا کلام ضعیف ہے۔

حنابلہ کا مذہب:

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی" کی کتاب النکاح میں حنابلہ کا یہ مذہب ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

فامانظر الرجل الی الأجنبية من غير سبب فانه محرم الی جميعها فی ظاهر کلام أحمد وقال القاضی: يحرم عليه النظر الی ماعدا الوجه والکفين لأنه عورة ويباح له النظر اليها مع الکراهة اذا امن الفتنة و نظر لغير شهوة وهذا مذهب الشافعیؒ ..... ولنا قول الله تعالی. وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ۔ واما حديث اسماء ان صح فيحتمل انه کان قبل نزول الحجاب فنحمله عليه ۔ (المغنی ج۷ ص۵۵۸، ۵۵۹)

جہاں تک مرد کے لئے اجنبی عورت کی طرف بلاوجہ دیکھنے کا تعلق ہے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہری کلام کے مطابق پورے جسم کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور کفین کے علاوہ دوسرے اعضاء کی طرف دیکھنا حرام ہے، اس لئے کہ وہ ستر کا حصہ ہیں، البتہ اگر فتنہ سے مامون ہو اور بلا شہوت کے دیکھے تو اس صورت میں کراہت کے ساتھ دیکھنا جائز ہے، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم ان خواتین سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ جہاں تک حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا تعلق ہے،

اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہو، لہٰذا ہم اس کو اسی پر محمول کریں گے۔

بہر حال! مذاہب اربعہ کی طرف نظر کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مذاہب اس پر تو متفق ہیں کہ لذت حاصل کرنے کی نیت سے یا فتنہ کے اندیشہ کے وقت عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب میں راجح قول یہ ہے کہ فتنہ سے امن کے وقت بھی چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے، البتہ حنفیہ اور مالکیہ نے فتنہ سے امن اور لذت کا قصد نہ ہونے کی شرط کے ساتھ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس شرط کا پایا جانا بہت مشکل ہے، خاص طور پر ہمارے اس دور میں جبکہ فساد عام ہو چکا ہے، اکثر احوال میں یہ شرط نہیں پائی جاتی، اس لئے متأخرین حنفیہ نے مطلقاً عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ درمختار کی باب الکراھیۃ میں ہے کہ:

فان خاف الشهوة أوشك امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلاً فحرام، وهذا في زمانهم، أمافي زماننا فمنع من الشابة، قهستاني وغيره، إلا النظر لحاجة كقاض وشاهد يحكم ويشهد عليها الخ۔

یعنی اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے

چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے، لہٰذا عدم شہوت کی قید کے ساتھ عورت کی طرف نظر کرنا حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ اور یہ حکم ان فقہاء کے زمانے کا ہے، اور جہاں تک ہمارے اس دور کا تعلق ہے، اس میں تو نوجوان عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع کہا گیا ہے، قہستانی وغیرہ، البتہ ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہے، جیسے قاضی کا فیصلہ سناتے وقت دیکھنا یا شاہد کا گواہی دیتے وقت دیکھنا الخ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ "شروط الصلاۃ" میں فرماتے ہیں:

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال، لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة۔

یعنی نوجوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا، یہ حکم اس لئے نہیں کہ وہ چہرہ ستر میں داخل ہے بلکہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ "باب التعزیر" میں فرماتے ہیں:

يعزر المولى عبده والزوج زوجته على تركها الزينة (الى قوله) أو كشفت وجهها لغير محرم۔

یعنی مولیٰ اپنے غلام پر اور شوہر اپنی بیوی پر زینت چھوڑنے پر یا اپنا چہرہ غیر محرم کے سامنے کھولنے پر تعزیری سزا جاری کرے گا۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں اس

آیت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ کے تحت فرماتے ہیں:

في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين واظهار الستر والعفاف عند الخروج، لئلا يطمع اهل الريب فيهن۔ (احکام القرآن: ج ۳، ص ۴۵۸)

یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ جوان عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ گھر سے نکلنے کے وقت اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ چھپائے اور پردہ اور موزے ظاہر کرے تاکہ اہل ریب ان کے اندر لالچ نہ کر پائیں۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:

وبهذا الذي قلنا تجتمع النصوص والروايات المتضادة بظاهرها، فانك قد عرفت مما سردنا لك من الآيات والروايات ان بعضها يجوز كشف الوجه والكفين، إما على الجزم و اليقين كحديث الفضل بن عباس عند البخاري و حديث اسماء بنت أبي بكر في السنن و حديث الواهبة نفسها عند البخاري وأمثالها وبعضها يجوز

علی احتمال لاختلاف وقع بین الصحابة رضی اللّٰہ عنھم فی تفسیر قولہ تعالیٰ: اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا، علی ما مرّ تفصیلہ۔

(احکام القرآن، ج ۳، ص ۴۹۹)

یعنی جو کچھ ہم نے کہا ہے، اس کے نتیجے میں وہ تمام روایات اور نصوص جن میں بظاہر آپس میں تضاد نظر آتا ہے متفق ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ ہم نے پیچھے جو آیات اور روایات بیان کی ہیں، ان کو دیکھنے سے آپ یہ بات سمجھ گئے ہوں گے کہ ان میں سے بعض روایات جزم اور یقین کے ساتھ چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کو جائز قرار دے رہی ہیں، جیسے کہ صحیح بخاری میں حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث اور سنن میں حضرت اسماء بنت ابی بکر والی حدیث اور بخاری شریف میں اس خاتون کا واقعہ جو اپنے نفس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرنے کے لئے آئی تھی وغیرہ۔ اور بعض روایات احتمال کے ساتھ چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کو جائز قرار دے رہی ہیں، کیونکہ آیت کریمہ ”اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا“ کی تفسیر میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوگیا ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آگے مزید فرماتے ہیں:

وبعضھا یحرّم کشف الوجہ والکفین والنظر الیھما من الأجانب کقولہ تعالیٰ: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ..... وقولہ تعالیٰ:

فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ .... وقوله تعالى: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ ، على تفسير الجمهور من الصحابة، ولقوله تعالى: إِلَّا مَاظَهَرَ على تفسير ابن مسعود رضي الله عنه فهذه نصوص الكتاب و روايات السنة ظاهرها التعارض والتضاد، وفيما ذكرناك بعون الله تعالى: غنية عن هذا الاشكال، فانك اذا حققت ماقلنا عرفت ان هذه النصوص كلها متوافقة المعنى متناسقة الاحكام، وكلها محكمة غير منسوخة غيران الحكم مشروط بشروط فحيث وجدت الشروط أجيز وحيث لا فلا ...

اور بعض نصوص چہرہ اور ہتھیلی کھولنے اور اجنبیوں کا ان کی طرف نظر کرنے کو حرام قرار دے رہی ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ.... " اور جمہور صحابہ کی بیان کردہ تفسیر کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ....." اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر

کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا ....." لہٰذا کتاب اللہ کی ان نصوص اور احادیث نبوی میں بظاہر تو رض اور تضاد نظر آرہا ہے لیکن ہم نے اوپر جو تفصیل بیان کی ہے، اس کے نتیجے میں الحمدللہ تعارض کا یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے اور تمام نصوص اور احادیث اپنے اپنے معنی میں ثابت رہتی ہیں، ان میں سے کسی کو منسوخ ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ صرف اتنی بات ہے کہ یہ حکم چند شرائط سے مشروط ہو جائے گا، اب جہاں وہ شرطیں پائی جائیں گی وہاں چہرہ وغیرہ کھولنے کی اجازت ہوگی اور جہاں وہ شرائط نہیں پائی جائیں گی وہاں اجازت نہیں ہوگی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

وهذا كله على تسليم حقيقة الاختلاف بين تفسيرى ابن عباس و ابن مسعود رضى الله عنهم، وقال شيخنا اشرف المشايخ نور الله مرقده فى جزء افرده فى هذا البحث السنى "بالقاء السكينة فى تحقيق ابداء الزينة" أنه لا اختلاف بين تفسير هما عند التعمق و إمعان النظر، فان لفظة "مَاظَهَرَ" وان فسر بالوجه والكفين لكن المذكور فى الا ستثناء هو صيغة الظهور لا الاظهار

وهو يشير اشارة واضحة إلى أن الغرض

استثناء مالا يستطاع ستره بل بحيث يظهر

عند الكسب والعمل من دون قصد الاظهار

بأن يلحقهن ضرر بستره عند الكسب

والعمل، فكان المستثنى على تفسير ابن

عباس رضي الله عنه أيضاً هو ظهور الوجه

والكفين عند الاضطرار اليه، وهو لا ينافي

قول ابن مسعود رضي الله عنه ـ قلت:

ويؤيد هذا المعنى ماقال ابن كثير في تفسير

قوله تعالى. وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلاَّ مَاظَهَرَ

مِنْهَا: أي لا يظهرن شيئا من الزينة للأجانب

الا مالا يمكن اخفاءه ـ

یعنی اوپر جو ہم نے تفصیل بیان کی، یہ اس بنیاد پر ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دونوں تفسیروں کے درمیان اختلاف کی حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے۔ لیکن ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ''القاء السکینۃ فی تحقیق ابداء الزینۃ'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ''اگر تعمق اور گہری نظر ڈالی جائے تو

یہ نظر آئے گا کہ دونوں تفسیروں کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ لفظ "مَا ظَهَرَ" کی تفسیر اگرچہ چہرہ اور کفین سے کی گئی ہے لیکن استثناء میں "ظہور" کا (لازمی) صیغہ ہے "اظہار" کا (متعدی) صیغہ نہیں ہے، اور یہ لازمی صیغہ اس طرف صاف اشارہ کر رہا ہے کہ جن اعضاء کا چھپانا استطاعت سے خارج ہے اور بلا قصد سبب اور عمل کے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں اور ان کو چھپانے میں ضرر ہوتا ہے، ان کا استثناء کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کے مطابق بھی مجبوری کی حالت میں چہرہ اور کفین کا کھولنا مستثنیٰ ہے اور یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے منافی نہیں ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس معنی کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو آیت قرآن "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ خواتین اجانب کے سامنے اپنی زینت کا کوئی حصہ بھی ظاہر نہ کریں، الا یہ کہ ایسی زینت جس کا اخفاء ممکن نہ ہو۔

خلاصہ

بہر حال! پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو قرآن کریم کے ذریعہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر وہ کسی ضرورت سے باہر نکلے تو اس کو حکم یہ ہے کہ برقع یا چادر سے اپنے چہرہ کو ڈھانپ لے اور یہ کہ اپنا چہرہ بھی نہ کھولے، البتہ دو

صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ چہرہ کھولنے کی ایسی ضرورت ہو کہ چہرہ ڈھانپنے میں نقصان ہوسکتا ہو، جیسے بھیڑ میں چلنے کے دوران، یا کسی دوسری ضرورت کے وقت مثلاً گواہی وغیرہ دیتے وقت۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسب اور عمل کے وقت بلاقصد اس کا چہرہ کھل جاتا ہو۔ البتہ ان دونوں صورتوں میں مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ (ماخوذ از تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۲۶۱)

اسلام میں تصویر کا حکم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اللہ اکبر
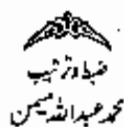
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام میں تصویر کا حکم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ عَلٰی کُلِّ مَن
تبعهم باحسان الی یوم الدین۔ اَمَّا بَعْدُ!

آج کے دور میں "تصاویر" کا رواج ہر جگہ عام ہو چکا ہے۔ (لہٰذا ہم یہاں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کریں گے) چنانچہ سب سے پہلے ہم ان احادیث کو ذکر کریں گے جن میں تصاویر کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس کے بعد اس کے بارے میں فقہاء کے مذاہب ذکر کریں گے۔

احادیث میں تصاویر کی ممانعت

جن احادیث میں تصاویر کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
اِنَّ الَّذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم

القيامة يقال لهم: احيوا ما خلقتم۔

(صحیح بخاری، باب عذاب المصورین و مسلم ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔

۲۔ عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ان من أشد الناس عذاباً یوم القیامة المصورون۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو دیا جائے گا۔

۳۔ قال أبوزرعة: دخلت مع أبی هریرة فی دار مروان فرأی فیها التصاویر فقال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: قال اللّٰہ عزّوجلّ: ومن أظلم ممن ذهب یخلق خلقاً کخلقی فلیخلقوا ذرّة

وليخلقوا حبة أو ليخلقوا شعيرة ۔

(صحيح بخاری باب نقض الصور، صحیح مسلم ایضاً)

حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا، انہوں نے اس گھر میں تصاویر دیکھیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میرے پیدا کرنے کی طرح پیدا کرتا ہے پس اس کو تو چاہئے کہ وہ ذرہ پیدا کر کے دکھائے اور دانہ پیدا کر کے دکھائے اور جو پیدا کر کے دکھائے۔

۴۔ عن ابي طلحة رضى الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا صورة۔

(صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

۵۔ عن أبی هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تدخل الملائكة بيتاً فيه تماثيل أو تصاوير ۔(صحیح مسلم ایضاً)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مجسمے یا تصاویر ہوں۔

۶۔ عن عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت محمدًا صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من صوّر صورة في الدنيا كلّف يوم القيامة ان ينفخ الروح وليس بنافخ۔

(صحيح بخاري، باب من صوّر صورة الخ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بنائے گا تو قیامت کے روز اس کو اس بات کا مکلّف کیا جائے گا کہ وہ اس کے اندر روح ڈالے اور وہ اس کے اندر روح نہیں ڈال سکے گا۔

۷۔ قال سعيد بن أبي الحسن: كنت عند ابن عباس اذ جاءه رجل فقال: يا ابن عباس! اني رجل انما معيشتي من صنعة يدي واني اصنع هذه التصاوير، فقال ابن عباس: لا احدثك الا ماسمعتُ من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، سمعته يقول: من صوّر صورة فانّ اللّٰه معذبه حتى ينفخ فيها الروح

وليس بنافخ فيها ابداً - فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه، فقال: ويحك ان أبيت الا ان تصنع فعليك بهذا الشجر، كل شئي ليس فيه روح-

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع التصاویر)

حضرت سعید بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ اے ابن عباس! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی صنعت پر ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وہ بات بیان کرتا ہوں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنی ہے، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے والے ہیں یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں روح ڈال دے اور وہ شخص کبھی بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا، یہ سن کر اس شخص نے ایک لمبی سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ارے بھائی، اگر تو بنانا ہی چاہتا ہے تو اس درخت کی تصویر بنا اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔

٨ - عن ابي جحيفة رضي الله عنه قال: ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن

الدم و ثمن الكلب وكسب البغي ولعن آكل الربا وموكله والواشمة والمستوشمة والمصوّر۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من لعن المصور)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت لینے سے اور کتے کی قیمت لینے سے اور بدکاری کی کمائی سے منع فرمایا ہے، اور آپ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور ہاتھ میں گودنے والی اور گدوانے والی اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

۹۔ عن عائشة رضي الله عنها قالت: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر وقد سترت سهوة لي بقرام فيه تماثيل فلمارآه رسول الله صلى الله عليه وسلم هتكه وقال: أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهئون بخلق الله، قالت: فقطعناه فجعلناه وسادة اووسادتين۔

(صحیح بخاری، باب ماوطئ من التصاویر)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر

سے تشریف لائے، میں نے روشندان پر ایک باریک پردہ ڈال دیا تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عمل پیدائش کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے وہ پردہ کاٹ دیا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنا لئے۔

۱۰۔ عن عبداللّٰہ بن عمر قال: وعد جبریل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فراث علیہ حتی اشتد علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فخرج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلقیہ فشکا الیہ ما وجد فقال: إنا لا ندخل بیتاً فیہ صورۃ ولا کلب۔

(صحیح بخاری، باب لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرلیا، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں تاخیر کردی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات شاق گزری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے، وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، آپ نے انتظار کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی اس کی شکایت کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم

ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔

۱۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصورۃ فی البیت ونھی أن یصنع ذلک۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔

۱۲۔ عن علیّ رضی اللہ عنہ انہ قال لأبی الھیّاج الأسدی: ألا ابعثک علی مَا بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع صورۃ الا طمستھا ولا قبراً مشرفاً إلا سویتہ۔

(مسلم: کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ القبور۔ ترمذی: کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۰۴۹۔ و ابوداؤد: کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۳۲۱۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابوالہیاج الاسدی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کام کی ترغیب نہ دوں جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ترغیب دی، وہ یہ کہ کسی تصویر کو نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو مٹادو اور کوئی بلند قبر نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو برابر کردو۔

۱۳۔ عن عبداللہ بن نجیّ الحضرمی عن

ابيه عن عليّ رضى الله عنهم في حديث طويل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه ذكر عن جبريل عليه السلام انه قال: انها ثلاث لن يلج ملك ما داموا فيها ابداً واحد منها كلب اوجنابة او صورة روح۔

أخرجه احمد في مسنده كمافي فتح الباری ۱۷: ۲۷۹، واخرجه ايضاً النسائی و ابن ماجه مختصراً وسنده جيّد كمافی "الفتح الربانی"۔

حضرت عبداللہ بن نجی الحضرمی اپنے والد سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ کسی جگہ پر ہوں، فرشتے اس جگہ داخل نہیں ہوتے، ان میں سے ایک کتا، دوسرے ناپاکی کی حالت والا، تیسرے جاندار کی تصویر۔

۱۳۔ عن عائشة رضى الله عنها قالت: لما اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم ذكر بعض نساءه كنيسة يقال لها مارية وكانت

أم سلمة و أم حبيبة أتتا أرض الحبشة فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها فرفع رأسه فقال: اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً ثم صوّروا فيه تلك الصّور، اولئك شرار خلق اللّٰه۔

(اخرجه البخاری و مسلم والنسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو بعض خواتین نے نصاریٰ کے کنیسہ کا تذکرہ کیا جس کو "ماریہ" کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دونوں حبشہ سے آئی تھیں، اس لئے ان دونوں نے اس کنیسہ کے حسن اور اس کے اندر جو تصاویر ہیں ان کا ذکر کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں اور پھر اس مسجد میں تصاویر بنا دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔

مندرجہ بالا چودہ احادیث مرفوع ہیں، اور سب کی سب علی الاطلاق اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ تصاویر ممنوع ہیں اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ تصاویر جسم والی ہوں یا وہ تصاویر کپڑوں پر یا کاغذ وغیرہ پر بنائی گئی ہوں۔

تصاویر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال اور ان کا تعامل

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے بہت سے ایسے آثار وارد ہوئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حضرات بھی تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ ان آثار میں سے چند آثار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عن عمر رضي الله عنه أنه قال للنصارى: انا لا ندخل كنائسكم من أجل التماثيل التي فيها الصور۔

(ذكره البخاري تعليقاً في كتاب الصلاة، باب الصلاة في البيعة)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے نصاریٰ سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو کہ حقیقت میں تصاویر ہیں۔

عبدالرزاق نے اسی اثر کو اسلم مولیٰ عمر کے طریق سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

لمّا قدم عمر الشام صنع له رجل من النصارى طعاماً وكان من عظمائهم وقال:

أحب أن تجيئني وتكرمني فقال له عمر : انا لاندخل كنائسكم من أجل الصور التى فيها يعني التماثيل۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تشریف لائے تو نصاریٰ کے ایک شخص نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا، وہ شخص نصاریٰ کے بڑے لوگوں میں سے تھا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور مجھے عزت بخشیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان تصاویر یعنی مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو اس میں موجود ہوتی ہیں۔

۲۔ عن علي رضي الله عنه أنه بعث أبا الهيّاج الاسدي وقال له: ألاّ أبعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا تدع صورة إلاّ طمستها الخ۔

(یہ اثر اور اس کا ترجمہ اوپر نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے)

۳۔ عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه رأى صورة في البيت فرجع۔

(بخاری، کتاب النکاح، باب هل يرجع اذا رأى منكراً)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے گھر

میں تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے (اور گھر کے اندر داخل نہیں ہوئے)

۴۔ عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه أن رجلاً صنع له طعاماً فدعاه فقال: أفي البيت صورة؟ قال: نعم! فأبى أن يدخل حتى كسر الصورة ثم دخل۔

(سنن بیہقی ۷: ۲۶۸، کتاب النکاح، باب المدعو یریٰ صورۃ)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان کے لئے کھانا تیار کیا اور پھر ان کو بلایا، انہوں نے پوچھا کہ کیا گھر میں کوئی تصویر ہے؟ داعی نے کہا کہ ہاں! آپ نے اس کے گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس شخص نے وہ تصویر توڑ دی پھر آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔

۵۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه رأى فرساً من رقاع في يد جارية فقال: ألا ترى هذا؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما يعمل هذا من لا خلاق له يوم القيامة۔

(مسند احمد ۲: ۳۸۹)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک بچی کے ہاتھ میں کپڑے کا بنا ہوا ایک گھوڑا دیکھا، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو نہیں دیکھتی ہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایسی چیز وہی شخص

بناتا ہے جس کا قیامت کے روز کوئی حصہ نہیں ہے۔ (یعنی ثواب کا)

۷۔ عن شعبة مولى ابن عباس رضي الله عنهما ان المسور ابن مخرمة دخل على عبدالله بن عباس يعوده، فرأى عليه ثوب استبرق، فقال: يا ابن عباس! ماهذا الثوب؟ قال ابن عباس: وماهو؟ قال: الاستبرق قال: انما كره ذلك لمن يتكبر فيه قال: ماهذه التصاوير في الكانون؟ فقال: لاجرم، ألم تركيف أحرقها بالنار؟ فلما خرج قال: انزعوا هذا الثوب عني واقطعوا رءوس هذه التصاوير التي في الكانون فقطعها۔

(سنن بيهقي، ۲: ۲۷۰، مسند احمد ۱: ۳۵۳)

شعبہ مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے اوپر موٹا ریشمی کپڑا ہے، انہوں نے فرمایا اے ابن عباس! یہ کپڑا کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا یہ تو ریشمی کپڑا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لئے پہننا مکروہ ہے جو اس کو پہن کر تکبر کریں۔ پھر انہوں فرمایا کہ انگیٹھی میں جو

تصاویر ہیں، وہ کیسی ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ان کو آگ نے کس طرح جلا دیا ہے۔ جب حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس تشریف لے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ کپڑا میرے اوپر سے ہٹا دو اور انگیٹھی میں جو تصاویر ہیں ان کے سروں کو کاٹ دو۔ پس ان کو کاٹ دیا گیا۔

۷۔ عن قتادة أن كعباً رضى الله عنه قال: و
أمّا من آذى الله فالذين يعملون الصور
فيقال لهم: احيوا ماخلقتم۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۰۰، حدیث نمبر ۱۹۴۹۳)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، یہ وہ لوگ ہیں جو تصاویر بناتے ہیں، ان سے کہا جائے گا (قیامت کے دن) کہ جو تم نے بنایا ہے ان کو زندہ کرو۔

۸ ۔ عن قتادة قال: يكره من التماثيل مافيه
الروح فأمّا الشجر فلا باس به۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۰۰، حدیث نمبر ۱۹۴۹۳)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ تماثیل مکروہ ہیں جو ذی روح کی ہوں، اگر درخت کی تماثیل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۹۔ اخرج ابن سعد فی طبقاته ان سعيد بن

المسيب كان لا يأذن لابنته في اللعب بنات العاج۔

(طبقات ابن سعد: ج ۵، ص ۱۳۳)

ابن سعدؒ نے طبقات میں فرمایا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی بیٹی کو ہاتھی دانت کی گڑیا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

فقہاء کے مذاہب

مندرجہ بالا احادیث اور آثار کی وجہ سے جمہور فقہاء تصاویر بنانے اور تصاویر کو گھروں میں لگانے کی حرمت کے قائل ہیں، چاہے وہ تصاویر مجسم اور سایہ دار ہوں یا غیر مجسم ہوں اور سایہ دار نہ ہوں۔

چنانچہ حدیث نمبر ۳ جو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے، اس کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "شرح مسلم" میں فرماتے ہیں:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء، تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الاحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى..... وأما

اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فان كان
معلقاً على حائط أوثوبا ملبوسا أو عمامة
ونحو ذلك مما لايعد ممتهنا فهو حرام، وان
كان في بساط يداس ومخدة و وسادة و
نحوها مما يمتهن فليس بحرام، ولا فرق
في هذا كله بين ماله ظل و مالا ظل له۔ هذا
تلخيص مذهبنا في المسئلة۔ و بمعناه قال
جماهير العلماء من الصحابة و التابعين ومن
بعدهم وهو مذهب الثوريؒ و مالكؒ وابى
حنيفةؒ وغيرهم۔

ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا انتہائی شدید حرام ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ اس عمل پر شدید وعید احادیث میں مذکور ہے، چاہے اس کو کسی حقیر چیز پر بنائے یا باعزت چیز پر بنائے، ہر حال میں اس کی صنعت حرام ہے، اس لئے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل پیدائش میں مشابہت اختیار کرنا ہے۔ جہاں تک اس چیز کے رکھنے کا تعلق ہے جس پر کسی حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہے، تو اگر وہ تصویر کسی ایسی چیز پر بنی ہوئی ہے جو کسی دیوار پر لگی ہوئی ہے، یا وہ کپڑا ہے جو جسم پر پہنا ہوا ہے، یا عمامہ پر ہے، یا اس طرح کی کسی ایسی چیز پر ہے جس کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تو ایسی چیز رکھنا حرام ہے، اور اگر وہ تصویر ایسے بچھونے پر بنی ہوئی ہے جو روندا

جاتا ہے، یا کسی چھوٹے یا بڑے ایسے تکیوں پر بنی ہوئی ہے جن کو معمولی سمجھا جاتا ہے تو ان کو رکھنا حرام نہیں۔ البتہ اس لحاظ سے حلت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر سایہ دار ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں مندرجہ بالا تفصیل ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے، جمہور صحابہ کرامؓ اور جمہور تابعینؒ اور ان کے بعد کے جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' میں اسی طرح کا قول نقل فرمایا ہے، دیکھئے (ج ۱۰، ص ۳۰۹) اسی سے احناف اور شوافع کا مسلک بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے، چنانچہ علامہ مرداوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یحرم تصویر مافیه روح ولا یحرم تصویر الشجر و نحوه، والتمثال ممالا یشابه مافیه روح، علی الصحیح من المذهب...... ویحرم تعلیق مافیه صورة حیوان و ستر الجدار به وتصویره علی الصحیح من المذهب۔

(الانصاف للمرداوی، ج ۱، ص ۴۷۳)

صحیح مذہب کے مطابق ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے اور درخت وغیرہ کی تصویر بنانا اور ایسا مجسمہ بنانا جو کسی ذی روح کے مشابہ نہ ہو، حرام نہیں۔ اور صحیح مذہب کے مطابق ایسی چیز لٹکانا جس پر حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہو اور اس چیز

سے دیوار کا پردہ کرنا اور کسی حیوان کی تصویر بنانا حرام ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی" میں ص ۷۰، ج ۷، کتاب الولیمہ میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

چونکہ تصویر کے مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف روایات ہیں، اس وجہ سے علماء مالکیہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیش آیا ہے، البتہ مذہب مالکیہ کی تمام روایات واقوال کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مجسم تصویر جو سایہ دار ہو حرام ہے، البتہ وہ تصویر جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا کپڑے پر بنائی ہوئی تصویر، اس کی حرمت کے بارے میں اختلاف ہے۔

علامہ اُبّی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

واختلف في تصوير مالا ظل له فكرهه ابن شهاب في أي شيء صوّر من حائط أو ثوب أو غيرهما و أجاز ابن القاسم تصويره في الثياب لقوله في الحديث الآتي "إلا رقماً في ثوب" (شرح المسلم للأبي: ج۵، ص ۳۹۲)

یعنی جو تصویر سایہ دار نہ ہو، اس کے بارے میں اختلاف ہے، علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں چاہے وہ دیوار پر ہو یا کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر ہو، جبکہ علامہ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ صرف اس تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، اس لئے کہ حدیث شریف کے الفاظ "إلا رقماً في ثوب" میں ایسی تصویر کی اجازت دی گئی ہے۔

اسی طرح علامہ مواق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم صرف ان تصاویر کے ساتھ ہے جو جسم دار ہوں۔ (دیکھئے [illegible])

علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والحاصل أن تصاوير الحيوانات تحرم إجماعاً إن كانت كاملة لها ظل مما يطول استمراره، بخلاف ناقص عضو لا يعيش به لو كان حيواناً، وبخلاف ما لا ظل له كنقش في ورق أو جدار، أو فيما لا يطول استمراره (كما لو كانت من نحو قشر بطيخ) خلاف، والصحيح حرمته۔

(حاشية الصاوي على الشرح الصغير، [illegible])

یعنی خلاصہ یہ کہ اگر حیوانات کی تصاویر کامل ہوں، سایہ دار ہوں اور دیرپا ہوں تو ایسی تصاویر بالاجماع حرام ہیں۔ بخلاف اس تصویر کے جو ایسے ناقص عضو والی ہو کہ اگر وہ حقیقی حیوان ہوتا تو اس عضو کے ناقص ہونے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور بخلاف ایسی تصویر کے جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا دیوار پر کسی حیوان کا نقش، البتہ وہ تصویر جو دیرپا نہ ہو (جیسے تربوز کے چھلکے سے کسی حیوان کی صورت بنا دی) اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ ایسی تصویر حرام ہے۔

مذہب مالکیہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اکثر فقہاء مالکیہ تصویر کی کراہت کے قائل ہیں اگرچہ وہ سایہ دار نہ ہو، اِلّا یہ کہ وہ تصویر ذلت والی جگہ پر بنائی گئی ہو۔ چنانچہ علامہ خرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال في التوضيح: التمثال اذا كان لغير حيوان كالشجر جائز وان كان لحيوان فماله ظل ويقيم فهو حرام باجماع، وكذا يحرم وان لم يقم كالعجين خلافاً لأصبغ وما لا ظل له ان كان غير ممتهن فهو مكروه وان كان ممتهنا فتركه اولى۔

(خرشي على مختصر الخليل، ۳:۳۰۳)

علامہ خرشی رحمۃ اللہ علیہ "توضیح" میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی غیر حیوان کا مجسمہ ہو مثلاً درخت کا تو وہ جائز ہے، اور اگر حیوان کا مجسمہ ہو تو اگر وہ مجسمہ سایہ دار ہو اور پائیدار ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے، اور اگر پائیدار نہ ہو جیسے گوندھا ہوا آٹا تو بھی حرام ہے خلافاً لاصبغ۔ اور اگر وہ ایسا مجسمہ ہے جو سایہ دار نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وہ کسی حقیر اور ذلیل جگہ پر نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر کسی ذلیل اور حقیر جگہ پر ہو تو بھی اس کا ترک اولیٰ ہے۔ علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الکبیر" میں بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے: دسوقی، ج ۲، ص ۳۳۸، الزرقانی علی مختصر خلیل ج ۴، ص ۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جسم دار تصویر بنانا ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے، اگر جسم دار نہ ہو تو بھی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک قول حرام ہونے کا ہے البتہ اکثر علماء مالکیہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ ایسی تصویر مکروہ ہے، لیکن بعض علماء مالکیہ ایسی تصویر کے جواز کے قائل ہیں۔

جو حضرات فقہاء غیر مجسم تصویر کے جواز کے قائل ہیں، وہ حضرت بسر بن سعید کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

أن بسر بن سعید حدثه أن زید بن خالد الجهني حدثه ومع بسر عبیدالله الخولاني، أن أبا طلحة حدثه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا تدخل الملائکة بیتاً فیه صورة، قال بسر: فمرض زید بن خالد فعدناه فاذا نحن في بیته بستر فیه تصاویر فقلت لعبید الله الخولاني، ألم یحدثنا في التصاویر؟ قال انه قال: إلا رقماً في ثوب الم تسمعه؟ قلت: لا، قال: بلی قد ذکر ذلك۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة)

حضرت بسر بن سعیدؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں اور حضرت بسر کے ساتھ عبیداللہ خولانی بھی تھے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو" حضرت بسر بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد الجہنی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے، ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، ہم جس کمرے میں تھے اس میں ایک پردہ تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں، میں نے حضرت عبید اللہ خولانی سے کہا کہ کیا انہوں نے تصاویر کے بارے میں حدیث بیان نہیں کی تھی؟ حضرت عبید اللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے یہ بھی تو فرمایا تھا "إلا رقما في ثوب" کیا تم نے یہ الفاظ نہیں سنے تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں، انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں سنا، انہوں نے یہ الفاظ بیان کئے تھے۔

ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ:

عن عبيد الله بن عبدالله بن عتبة أنه دخل على أبي طلحة الأنصاري يعوده، قال: فوجدت عنده سهل بن حنيف، قال: فدعا أبوطلحة انساناً ينزع نمطاً تحته فقال له سهل: لم تنزعه؟ قال: لأن فيه التصاوير وقد قال فيه النبي صلى الله عليه وسلم ماقد علمت، قال سهل: أولم يقل: "إلا ماكان رقماً في ثوب"؟ فقال: بلى ولكنه أطيب لنفسي. (ترمذی، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۱۷۵۰)

حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابوطلحہ

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عیادت کے لئے گئے، فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں حضرت سہل بن حنیف کو موجود پایا، فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بلایا تاکہ وہ ان کے نیچے سے چادر نکال لے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ اس کو کیوں نکال رہے ہیں؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس میں تصاویر ہیں اور تصاویر کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ جانتے ہیں، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ''الا ما کان رقما فی ثوب''؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ ضرور فرمایا ہے لیکن اس کا نکال دینا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔

غیر مجسّد تصویر کے جواز کے قائلین مندرجہ بالا دو احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا ایسی تصویر جائز ہے۔

جمہور فقہاء ان احادیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ''الرقم فی الثوب'' سے مراد وہ تصویر ہے جو کسی درخت یا کسی غیر ذی روح کی تصویر ہو، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

دخل علیّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

وقد سترت سهوة لی بقرام فیه تماثیل، فلما رآه هتکه وتلوّن وجهه وقال یا عائشة! أشد الناس عذابا عند اللّٰہ یوم القیامة الذین یضاهون بخلق اللّٰہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں نے اپنے طاقچے کو ایک ایسے پردے سے ڈھانپا ہوا تھا جس پر تصاویر تھیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ دیکھا تو آپ نے اس کو پھاڑ دیا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے عمل سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، جائز ہوتی تو اس پردے پر بنی ہوئی تصویر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نکیر نہ فرماتے جبکہ وہ پردہ کپڑے کا تھا۔ (جہاں تک اس قصہ میں روایات کے اختلاف کا تعلق ہے، اس کی تحقیق انشاء اللہ اس باب کی اسی حدیث کے تحت آجائے گی اور وہاں پر ہم یہ بیان کریں گے کہ تمام روایات میں ایک ہی واقعہ مذکور ہے اور اس حدیث کو متعدد واقعات پر محمول کرنا بہت بعید ہے)

ہمارے زمانے کے بعض متجددین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تصویر کی حرمت ابتداء اسلام میں تھی، اس لئے کہ ابتداء ... کا زمانہ جاہلیت اور ...

پرستی کے زمانے سے قریب تھا اور لوگوں کے دلوں میں توحید کا عقیدہ راسخ نہیں ہوا تھا، لہٰذا جب توحید کا عقیدہ ان کے اندر راسخ ہو گیا تو تصویر کی حرمت اٹھالی گئی۔ متجددین کے اس دعوی پر قرآن وحدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں، اگر تصویر کی حرمت کا حکم منسوخ ہو جاتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صراحۃً اس کا نسخ بیان فرماتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تصاویر سے منع نہ فرماتے۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ فقہاء صحابہ ایسے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے جن میں تصاویر ہوتی تھیں، یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد پیش آیا۔ یہ اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم اب بھی باقی ہے اور اس حکم کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا۔ اور یہ حکم کیسے منسوخ ہو سکتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی حرمت کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے عمل سے مشابہت اختیار کرنا ہے، یہ علت ایسی ہے جو کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ ایک زمانے میں پائی جائے اور دوسرے زمانے میں نہ پائی جائے۔

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ''شرح العمدۃ'' میں فرماتے ہیں:

ولقد أبعد غاية البعد من قال: إن ذلك محمول على الكراهة وأن التشديد كان في ذلك الزمان لقرب عهد الناس بعبادة الأوثان، وهذا الزمان حيث انتشر الاسلام

وتمهدت قواعده فلا يساويه في هذا التشديد ...... و هذا القول عندنا باطل قطعاً لأنه قد ورد في الأحاديث والأخبار عن أمر الآخرة بعذاب المصورين، وانهم يقال لهم: احيوا ماخلقتم، وهذه علة مخالفة لما قاله هذا القائل۔ وقد صرّح بذلك في قوله عليه السلام: المشبهون بخلق الله، وهذه عِلّة عامّةٌ مستقلة مناسبة ولا تخص زماناً دون زمان، وليس لنا أن نتصرف في النصوص المتظاهرة المتضافرة بمعنى خيالیّ۔

(شرح العمدة، ج ۱، ص ۱۷۲، كتاب الجنائز، حديث: ۱۱)

جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے، انہوں نے انتہائی دور کی بات کہی ہے کہ تصویر کی حرمت کراہت پر محمول ہے اور یہ تصویر کی حرمت کی شدت اسی زمانے میں تھی (جب اسلام نیا نیا تھا) کیونکہ لوگوں کا وہ زمانہ بتوں کی عبادت سے قریب کا زمانہ تھا، اب اس زمانہ میں چونکہ اسلام پھیل چکا ہے اور اسلام کے قواعد آسان ہو چکے ہیں، اس لئے اس حکم میں اب وہ شدت باقی نہیں رہی۔ ہمارے نزدیک یہ قول قطعی طور پر باطل ہے، اس لئے کہ احادیث اور اخبار میں تصویر بنانے والوں کو آخرت میں عذاب دیئے جانے کی وعید وارد ہوئی ہے اور قیامت کے روز تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا

ہے اس کو زندہ کرو۔ لہٰذا یہ علت ان متجددین کے قول کے بالکل مخالف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اس کی صراحت موجود ہے، وہ یہ کہ "المشبهون بخلق الله" یعنی یہ تصاویر بنانے والے اللہ تعالیٰ کے بنانے سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ یہ علت عام، مستقل اور مناسب ہے، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا ایک خیالی معنی کی وجہ سے ایسی نصوص میں تصرف کرنا جائز نہیں جو ظاہر ہیں اور جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

هذا ماقاله ابن دقيق العيد منذ أكثر من ٦٧٠ سنة، يرد على قوم تلاعبوا بهذه النصوص في عصره أو قبل عصره، ثم يأتي هؤلاء المفتون المضلون واتباعهم المقلدون الجاهلون او الملحدون الهدامون، يعيدونها جزعة ويلعبون بنصوص الاحاديث كما لعب اولئكم من قبل، ثم كان من اثر هذه الفتاوى الجاهلة ان ملئت بلادنا بمظاهر الوثنية كاملة فنصبت التماثيل

وملئت بها البلاد تكريماً لذكرى من نسبت اليه و تعظيماً...... وكان من أثرهذه الفتاوى الجاهلة ان صنعت الدولة وهي تزعم أنها دولة إسلامية في أمّة اسلامية ماسمته مدرسة الفنون الجميلة أو كلية الفنون الجميلة صنعت معهداً للفجور الكامل الواضح! ويكفي للدلالة على ذلك ان يدخله الشبّان الماجنون من الذكور والاناث إباحيين مختلطين، لايردعهم دين ولا عفاف ولا غيرة، يصوررون فيه الفواجر من الغانيات اللاتي لا يستحيين ان يقفن عرايا ويجلسن عرايا ويضطجعن عرايا......
ثم يقولون لنا: هذا فن، لعنهم الله ولعن من رضى هذا منهم اوسكت عليه۔

(تعليقات احمد شاكر على مسند احمد، ج۱۲، ص ۱۵۱، حديث نمبر ۷۱۶۶)

بعض متجددین تصویر کے جواز پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں نازل ہوئی ہے کہ:

يَعْمَلُوْنَ لَهُ مَايَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ۔
(سورۃ سبا: آیت ۱۳)

وہ جنّات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو
(بنوانا) منظور ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیاں اور
لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں
جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔

متجددین اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مورتیاں بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نعمتوں کے بیان کے سیاق میں ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ مورتیاں بنانا حرام نہیں۔

لیکن یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ لغت میں "تمثال" ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری شئ کی صورت کے مطابق بنائی گئی ہو، جیسا کہ "لسان العرب" وغیرہ میں اسکی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ وہ "تماثیل" جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بناتے تھے وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوں، چنانچہ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "کشاف" میں مندرجہ بالا آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ویجوز أن یکون غیر صور الحیوان کصور
الأشجار وغیرھا لأنّ التمثال کل ما صوّر
علی مثل صورۃ غیرہ من حیوان أو غیر

حیوان۔

یعنی یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات جو تماثیل بناتے تھے وہ غیر حیوان مثلاً درخت وغیرہ کی تماثیل ہوں، کیونکہ "تمثال" ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مثل بنائی جائے، چاہے وہ حیوان کی صورت ہو یا غیر حیوان کی ہو۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ توراۃ میں بھی ذی روح کی تصویر کی حرمت وارد ہوئی ہے، حتی کہ وہ محرف شدہ توراۃ جو آج ہمارے پاس ہے، اس میں بھی یہ حکم موجود ہے، چنانچہ "سفر الخروج" میں ہے۔

لاتصنع لك تمثالاً منحوتاً ولاصورة مّامما في السماء من فوق ومافي الارض من تحت ومافي الماء من تحت الارض۔

(سفر الخروج، ۲۰:۴)

یعنی آپ کے لئے کوئی تراشیدہ صورت نہ بنائی جائے، نہ کسی ایسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان میں ہے یا جو نیچے زمین میں ہے یا جو زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ "سفر التثنية" میں یہ عبارت درج ہے: --

لئلا تفسدوا وتعملوا لأنفسكم تمثالاً منحوتاً صورة مثال ما شبه ذكر أوانثى، شبه بهيمة مّا ممّا على الأرض، شبه طيرمّا ذي

جناح ممّا يطير في السماء شبه دبيب مّا على الأرض، شبه سمك ما ممّا في الماء من تحت الارض۔ (سفر التثنية ٤: ١٨٩)

یعنی تا کہ تم نہ فساد نہ کرو (اس طرح کہ) تم اپنے لئے ایسی تراشیدہ تصویر بناؤ جو کسی مذکر یا مؤنث کے مشابہ ہو، یا کسی ایسے چوپائے کے مشابہ ہو جو زمین پر ہے، یا کسی ایسے پرندے کے مشابہ ہو جو پروں والا ہو جس سے وہ آسمان پر اڑتا ہو یا زمین پر رینگنے والے کے مشابہ ہو، یا زمین کے نیچے پانی میں تیرنے والی مچھلی کے مشابہ ہو۔

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تورات کی پیروی کرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ ایسی تصاویر بنانے کا حکم دیں جس کو تورات نے حرام قرار دیا ہو۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ وہ تصاویر جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا کرتے تھے، وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوتی تھیں جیسے درخت اور پھول اور کائنات کے قدرتی مناظر وغیرہ کی تصاویر۔

اس آیت سے استدلال درست نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ذی روح کی تصاویر بنانے کی اجازت دے رکھی تھی، تو بھی اصول یہ ہے کہ سابقہ شرائع کے ذریعہ ایسی چیز کے بارے میں استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ہماری شریعت میں اس کے معارض حکم موجود ہو۔ اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں کے بارے میں انتہائی تاکید سے ممانعت فرمائی ہے اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا ہمارے لئے حجت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔

(سورۃ المائدۃ: آیت ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔

عکسی تصاویر (فوٹو) کا حکم

جہاں تک عکسی تصاویر کا تعلق ہے جس کو "فوٹو گرافی تصویر" کہا جاتا ہے، کیا اس تصویر کا بھی وہی حکم ہے جو ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کا حکم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء معاصرین کا اختلاف ہے، چنانچہ مفتی مصر شیخ علامہ محمد بخیت رحمۃ اللہ علیہ نے "الجواب الشافی فی اباحۃ التصویر الفوتوغرافی" کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ فوٹو گرافی تصویر درحقیقت حبس ظل ہے جو اس صنعت کے ماہرین نے مخصوص طریقے سے اس ظل کو محفوظ کرلیا ہے، یہ وہ تصویر نہیں ہے جو شرعاً منہی عنہ ہے، کیونکہ منہی عنہ کسی ایسی تصویر کو بنانا اور ایجاد کرنا ہے جو اس سے پہلے موجود اور مصنوع نہیں تھی اور وہ تصویر ایسے جاندار کے مشابہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، یہ بات اس تصویر میں موجود نہیں جو کیمرہ کے ذریعہ کھینچی جائے۔

لیکن عرب ممالک کے بہت سے علماء اور ہندوستان کے تمام علماء یا ان کی بڑی تعداد نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عکسی تصویر اور ہاتھ سے نقش کی ہوئی تصویر کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ عرب ممالک کے بعض معاصر علماء کی عبارات مندرجہ ذیل ہیں:

شیخ مصطفیٰ الحمامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "النهضة الاصلاحية" میں فرماتے ہیں:

وانی احب ان تجزم الجزم كله ان التصوير بآلة التصوير (الفوتوغراف) كا لتصوير باليد تماماً فيحرم على المؤمن تسليطها للتصوير ـ ويحرم عليه تمكين مسلطها لالتقاط صورته بها لأنه بهذا التمكين يعين على فعل محرم غليظ وليس من الصواب فی شئی ما ذهب إليه أحد علماء عصرنا هذا من استباحة التصوير بتلك الآلة بحجة أن التصوير ما كان باليد والتصوير بهذه الآلة لا دخل لليد فيه فلا يكون حراماً ـ وهذا عندی اشبه بمن يرسل اسدا مفترسا فيقتل من يقتل اويفتح تيارا كهربائيا يعدم كل من

مرية اويضع سما في طعام فيهلك كل من تناول من ذلك الطعام فاذا وجد اليه اتهام بالقتل قال: انا لم أقتل. انما قتل السم والكهرباء والاسد...

(النهضة الاصلاحية، ص ۲۹۳ و ۲۹۵)

یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس پر پورا یقین رکھا جائے کہ کیمرہ کے ذریعہ کھینچی گئی تصویر مکمل طور پر ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کی طرح ہے، لہٰذا ایک مؤمن پر تصویر کے لئے اس آلہ کو استعمال کرنا حرام ہے، ایسی طرح کسی دوسرے کو اپنی تصویر کھینچنے پر قدرت دینا کہ وہ شخص کیمرہ کے ذریعہ آپ کی تصویر کھینچ لے، یہ بھی حرام ہے، اس لئے کہ اس قدرت دینے کے ذریعہ ایک انتہائی شدید حرام فعل پر اس کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ اور ہمارے موجودہ دور کے ایک عالم جو اس آلہ کے ذریعہ کھینچی ہوئی تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ تصویر وہ ہوتی ہے جو کہ ہاتھ سے بنائی جائے اور جو تصویر اس آلے کے ذریعہ بنائی جاتی ہے، اس میں ہاتھ کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا یہ تصویر حرام نہیں۔ ان عالم کی یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں، میرے نزدیک اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پھاڑنے والا شیر چھوڑ دے اور وہ شیر جا کر کسی شخص کو قتل کردے یا کوئی شخص بجلی کا کرنٹ چھوڑ دے کہ جو بھی اس کے اوپر سے گزرے وہ کرنٹ اس کو ختم کردے یا کوئی شخص کھانے میں زہر ملا دے کہ جو شخص بھی اس کو کھائے تو وہ ہلاک ہو جائے، اس

کے بعد جب اس شخص پر قتل کا الزام عائد ہو تو وہ شخص یہ کہے کہ میں نے تو قتل نہیں کیا بلکہ زہر اور بجلی اور شیر نے قتل کیا ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "آداب الزفاف" میں فرماتے ہیں۔

وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسيّ بزعم أنه ليس من عمل الانسان! وليس من عمله فيه إلا إمساك الظلّ فقط كذا زعموا! أماذلك الجهد الجبّار الذي صرفه المخترع لهذه الآلة حتى استطاع أن يصور في لحظة ما لايستطيعه بدونها في ساعات، فليس من عمل الانسان عندهؤلاء! وكذالك توجيه المصور للآلة وتسديدها نحو الهدف المراد تصويره، و قبل ذلك تركيب مايسمّونه بالفلم ثم بعد ذلك تحميضه وغير ذلك ممّالا اعرفه فهذا أيضاً ليس من عمل الانسان عند اولئك ايضاً ...... ولمرة التفريق عندهم أنه يجوز تعليق صورة رجل مثلاً في

البیت اذا کانت مصورۃ بالتصویر الشمسی،
ولایجوز ذلك اذا کانت مصورۃ بالید! أمّا انا
فلم أرله مثلاً إلا جمود بعض اهل الظاهر
قدیماً مثل قول أحدهم فی حدیث "نهی
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن البول
فی الماء الراکد" قال: فالنهی عنه هو البول
فی الماء مباشرۃ امالو بال فی إناء ثم أراقه
فی الماء فهذا لیس منهیا عنه۔

(آداب الزفاف للألبانی)

فرمایا کہ بعض لوگوں کا ہاتھوں سے بنی ہوئی تصویر اور عکسی تصویر کے درمیان فرق کرنا اس کے قریب قریب ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ عکسی تصویر انسان کا عمل نہیں ہے، اس میں انسان کا عمل دخل صرف اتنا ہے کہ اس نے صرف سایہ کو روک دیا ہے۔ یہ ان کا خیال ہے ورنہ وہ سخت جد وجہد جو موجد نے اس آلے کے بنانے پر صرف کی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو یہ صلاحیت حاصل ہوگئی کہ وہ ایک لمحہ میں تصویر بنالیتا ہے اور اس آلے کے بغیر کئی گھنٹوں میں بھی ایسی تصویر نہیں بنا سکتا، اس سب کے باوجود ان حضرات کے نزدیک اس عمل میں انسان کا عمل دخل نہیں۔ اسی طرح تصویر کھینچنے والے کا اس آلہ کو متوجہ کرنا اور پھر جس چیز کی تصویر کھینچنی منظور ہے اس کی طرف آلے کو درست کر کے لگانا اور اس سے پہلے اس آلے کے اندر فلم لگانا اور اس کے علاوہ

دوسرے کام جن سے میں واقف نہیں، یہ سب کام بھی ایسے ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک ان میں انسان کے عمل کو دخل نہیں۔ ان حضرات کے نزدیک دونوں قسم کی تصاویر میں تفریق کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی انسان کی عکسی تصویر کو گھر میں لٹکانا ان حضرات کے نزدیک جائز ہوگا لیکن ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کو لٹکانا جائز نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی کوئی مثال سوائے بعض قدیم خشک اہل ظاہر کے کہیں اور نہیں دیکھی۔ وہ بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث میں براہ راست پانی میں پیشاب کرنے سے ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب کرے اور پھر اس پیشاب کو پانی میں بہادے تو اس کی اس حدیث میں ممانعت نہیں۔

شیخ محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالے ''حکم الاسلام فی التصویر'' میں اور ''تفسیر آیات الاحکام'' میں فرماتے ہیں۔

إن التصوير الشمسي لايخرج عن كونه
نوعاً من انواع التصوير فما يخرج بالآلة
يسمىٰ صورة و الشخص مصوراً فهو وان
كان لا يشمله النص الصريح لانه ليس
تصويراً باليد وليس فيه مضاهاة لخلق الله
إلا انه لا يخرج عن كونه ضرباً من ضروب

التصوير، فينبغي أن يقتصر في الاباحة على

حد الضرورة۔

(حكم الاسلام في التصوير، ص ١٥)

یعنی عکسی تصویر بھی تصاویر کے اقسام میں سے ایک قسم ہونے سے خارج نہیں، اسی وجہ سے آلہ (کیمرہ) کے ذریعہ جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس کو بھی تصویر کہا جاتا ہے اور تصویر کھینچنے والے کو "مصور" کہا جاتا ہے، پس اگرچہ نص صریح اس تصویر کو شامل نہیں کیونکہ یہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر نہیں اور اس تصویر میں اللہ تعالیٰ کے عمل پیدائش سے مشابہت اختیار کرنا نہیں ہے لیکن اس کو بھی تصویر کی ایک قسم ہونے سے خارج نہیں کرسکتے، لہٰذا صرف ضرورت کے دائرے میں اس کی اباحت کو محدود رکھنا چاہیے۔

شیخ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "فقہ السیرۃ" میں فرماتے ہیں۔

والحق انه لا ينبغي تكلّف أيّ فرق بين أنواع التصوير المختلفة حيطة في الأمر ونظراً لاطلاق لفظ الحديث ـ هذا فيما يتعلق بالتصوير أما الا تخاذ فلافرق بين الفوتو غرافي وغيره۔ (فقه السيرة ص ٣٨٠)

صحیح بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ مطلق ہونے پر نظر کرتے ہوئے اور حکم کو

جامع بنانے کے لئے تصویر کی مختلف اقسام کے درمیان فرق کا تکلف کرنا مناسب نہیں۔ یہ حکم تو تصویر سے متعلق ہے، جہاں تک تصویر بنانے کا تعلق ہے تو اس میں کیمرہ کے ذریعہ تصویر بنانے اور اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تصویر بنانے میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نقش و نگار کے ذریعہ بنائی ہوئی تصاویر اور عکسی تصاویر کے درمیان جو تفریق ہے، اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو چیز اصلاً حرام اور غیر مشروع ہو، آلہ کے بدل جانے سے اس کا حکم نہیں بدلتا، مثلاً شراب حرام ہے، چاہے اس کو ہاتھ سے بنایا گیا ہو، چاہے جدید مشینوں کے ذریعہ بنایا گیا ہو یا مثلاً قتل کرنا حرام ہے، چاہے کوئی شخص چھری سے قتل کرے یا گولی چلا کر قتل کرے۔ یہی معاملہ تصویر کا ہے، شریعت نے تصویر بنانے اور رکھنے کو منع فرمایا ہے، لہٰذا اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر مصور کے برش سے بنائی گئی ہو یا کیمرہ کے ذریعہ کھینچی گئی ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

ضرورت کے وقت تصویر کھچوانا

بہرحال! یہ تو تصویر کا اصل حکم تھا جو ہم نے اوپر تفصیل سے عرض کیا۔ جہاں تک کسی ضرورت کے لئے تصویر کھچوانے کا تعلق ہے جیسے پاسپورٹ کے لئے یا ویزے کے حصول کے لئے یا شناختی کارڈ کے لئے تصویر کھچوانا یا ایسے مواقع پر تصویر کھچوانا جہاں انسان کے چہرے کی شناخت ضروری ہو، ان

ضروریات کے لئے تصویر کی اجازت دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ضرورت کے مواقع کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ "سیر کبیر" میں فرماتے ہیں۔

وان تحققت الحاجة له الى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلاباس باستعماله

یعنی اگر کسی ایسے ہتھیار کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجائے جس پر تصویر بنی ہوئی ہو تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں اس کے تحت لکھتے ہیں:

لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة ۔ (شرح السرخسی ۲۷۸:۲)

کیونکہ ضرورت کے مواقع حرمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسے ضرورت کے وقت مردہ جانور کھانا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں۔

ان المسلمين يتبايعون بدراهم الأعاجم فيها التماثيل بالتيجان ولا يمنع أحد عن المعاملة بذلك ۔ (حوالہ بالا)

بیشک مسلمان عجمیوں کے ایسے دراہم کے ذریعہ خرید

وفروخت کرتے ہیں جن پر تاج پوش بادشاہ کی تصویر
بنی ہوتی ہے، ان دراہم کے ذریعہ معاملات کرنے
سے کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لاباس بان یحمل الرجل فی حال الصلاۃ دراهم العجم وان کان فیها تمثال الملك علی سریرہ و علیه تاجه۔

(شرح السرخسی ۲۶۲:۴)

آدمی کے لئے اہل عجم کے دراہم کے ساتھ نماز پڑھنے
میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اس درہم پر تخت نشین تاج
پوش بادشاہ کی تصویر بنی ہو۔

اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گڑیا سے کھیلنے کی اجازت عطا فرمائی اور فقہاء نے عورت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ گواہی کے وقت اپنا چہرہ کھول دے۔

ٹی وی اور ویڈیو

جہاں تک ٹی وی اور ویڈیو کا تعلق ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں آلات جن سے بے شمار منکرات مثلاً بے حیائی، فحاشی، عورتوں کا زیب و

زینت کے ساتھ یا نیم برہنہ حالت میں سامنے آنا اور اس کے علاوہ فسق و فجور کے دوسرے اسباب پر مشتمل ہیں، ان پر نظر کرتے ہوئے ان آلات کا استعمال حرام ہے۔ لیکن یہ دونوں آلات مندرجہ بالا تمام منکرات سے بالکل خالی ہوں تو کیا ان پر نظر آنے والی تصویر پر تصویر ہونے کا حکم لگا کر یہ کہا جائے گا کہ تصویر ہونے کی بنیاد پر ان کو دیکھنا حرام ہے؟

احقر کو اس بارے میں تأمل ہے، اس لئے کہ وہ تصویر حرام ہے جو اس طرح منقش ہو یا اس طرح تراشی گئی ہو کہ وہ تصویر کسی چیز پر ثابت اور مستقر ہو جائے اور کفار عبادت کے لئے اس طرح کی تصاویر استعمال کیا کرتے تھے، لیکن وہ تصویر جس کو قرار اور ثبات حاصل نہیں اور وہ تصویر جو کسی چیز پر مستقل طور پر منقش نہیں، ایسی تصویر تصویر کے بجائے "سائے" سے زیادہ مشابہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ٹی وی اور وڈیو پر آنے والی تصاویر کسی بھی مرحلے پر دائم اور مستقر نہیں ہوتیں، صرف "فلم" کی شکل میں موجود رہتی ہیں، کیونکہ جس صورت میں اسکرین پر براہ راست انسانی تصاویر دکھائی جا رہی ہوں اور وہ انسان دوسری طرف کیمرے کے سامنے موجود ہو، اس صورت میں تو اس انسان کی تصویر نہ تو کیمرہ میں ثابت رہتی ہے اور نہ ہی اسکرین پر ثابت اور مستقر رہتی ہے، لیکن درحقیقت وہ بجلی کے ذرات ہوتے ہیں جو کیمرہ سے اسکرین کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور پھر اسی اصلی ترتیب سے اسکرین پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور پھر وہ ذرات زائل اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جس صورت میں تصاویر کو وڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، اس صورت میں بھی اس

کیسٹ کے فیتے پر تصویر منقش نہیں ہوتی بلکہ وہ بجلی کے ذرات ہوتے ہیں جن میں کوئی تصویر نہیں ہوتی، البتہ جب وہ ذرات اسکرین پر ظاہر ہوتے ہیں تو دوبارہ اپنی اصلی ترتیب سے ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن اسکرین پر ان کو ثبات اور استقرار حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایک مرتبہ ظاہر ہونے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں، لہٰذا کسی بھی مرحلے پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ تصویر کسی چیز پر دائمی طور پر ثابت ہو کر منقش ہوگئی ہو، بہر حال اس تصویر پر ثابت اور مستقر تصویر کا حکم لگانا مشکل ہے۔ رحم اللہ امرأ هداني للصواب في ذلك، واللہ سبحانہ اعلم۔

۳ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

مطابق ۶ مئی ۲۰۰۳ء

❀❀❀❀
❀❀❀
❀

حرام اشیاء سے علاج کا حکم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

صلی اللہ علیہ وسلم
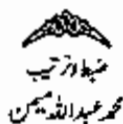
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حرام اشیاء سے علاج کا حکم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔
وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ، اَمَّا بَعْدُ!

حدیث عرنیین

عن انس بن مالك رضي الله عنه ان ناساً من عرينة قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فاجتووها فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان شئتم ان تخرجوا الى ابل الصدقة فتشربوا من البانها وأبوالها.

(مسلم، كتاب القسامة، باب حكم المحاربين والمرتدين)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، وہ لوگ
سوزش کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو مدینہ سے
باہر صدقہ کے اونٹوں کے پاس چلے جاؤ اور ان کا
دودھ اور پیشاب پیو۔

جو حضرات فقہاء حرام اور ناپاک چیزوں سے علاج کو جائز قرار دیتے
ہیں وہ مندرجہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حرام اور ناپاک چیزوں
سے علاج کے بارے میں فقہاء کے مذاہب مختلف ہیں۔

حنابلہ کا مذہب

حضرات حنابلہ حرام چیزوں سے علاج کرنے کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے
ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز التداوی بمحرم ولا بشئی فیہ
محرم مثل ألبان الأتن ولحم شئی من
المحرمات ولا شرب الخمر للتداوی بہ
لما ذکرنا من الخبر۔

(المغنی، کتاب الاطعمۃ، ج ۱۱ص ۸۳)(الشرح الکبیر، ج ۱۱ ص ۱۰۸)

حرام چیزوں سے علاج جائز نہیں۔ اور نہ ہی ایسی چیز

سے جس میں حرام چیز شامل ہو جیسے گدھیوں کے دودھ
سے اور حرام جانوروں کے گوشت سے علاج کرنا، اور
علاج کے لئے شراب پینا بھی جائز نہیں جیسا کہ ہم
نے حدیث سے بیان کیا۔

شوافع کا مذہب اور ان کی دلیل

شوافع کے نزدیک ایسے محرمات سے علاج کرنا درست ہے جس میں نشہ نہ ہو، بشرطیکہ وہی چیز اس بیماری کے علاج کے لئے متعین ہو، لہذا نشہ آور چیز سے علاج کرنا ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ "مجموع شرح المہذب" میں فرماتے ہیں۔

مذهبنا جواز التداوى بجميع النجاسات
سوى المسكر..... دليلنا حديث العرنيين
وهوفي الصحيحين كماسبق وهو محمول
على شربهم الأبوال للتداوى كماهو ظاهر
الحديث، وحديث "لم يجعل شفاء كم"
محمول على عدم الحاجة اليه بأن يكون
هناك مايغنى عنه ويقوم مقامه من الأدوية
الطاهرة وقال البيهقى، هذان الحديثان ان
صحاحملا على النهى عن التداوى بالمسكر
وعلى التداوى بالحرام من غير ضرورة

للجمع بينها وبين حديث العرنيين۔

(المجموع شرح المهذب، ج۹، ص ۵۲)

یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ سوائے نشہ آور چیز کے تمام ناپاک چیزوں سے علاج جائز ہے۔ ہماری دلیل "حدیث العرنیین" ہے جو صحیحین میں مذکور ہے، یہ حدیث ان لوگوں کے علاج کے طور پر پیشاب پینے پر محمول ہے جیسا کہ ظاہر حدیث بھی ہے اور حدیث شریف میں یہ جو الفاظ آئے ہیں کہ "لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی جو تم پر حرام کی گئی ہیں، یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب علاج کے لئے اس چیز کی ضرورت نہ ہو بلکہ علاج کیلئے اس کے متبادل کوئی دوسری پاک چیز بھی موجود ہے جو اس حرام چیز سے مستغنی کرنے والی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر (ممانعت والی) یہ دونوں حدیثیں صحیح ہوں تو ان ممانعت والی حدیثوں کو "تداوی بالمسکر" سے نہی پر محمول کیا جائے گا اور بلا ضرورت تداوی بالحرام والی صورت پر محمول کیا جائے گا تاکہ ان احادیث کے درمیان اور حدیث عرنیین کے درمیان تطبیق ہو سکے۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا مذہب اس مسئلہ میں حنابلہ کی طرح ہے، لہٰذا ان کے نزدیک تداوی بالمحرم کسی حال میں جائز نہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۳ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وان كانت الميتة قائمة بعينها فقد قال

سحنون لا يتداوى بهابحال ولا بخنزير، لأن منها عوضا حلالاً، بخلاف المجاعة وكذلك الخمر لا يتداوى بها۔

(تفسیر قرطبی، سورۃ بقرۃ: ۲۱۳)

اگر مردہ جانور بعینہ موجود ہو تو اس کے بارے میں امام سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعہ کسی حال میں علاج نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی خنزیر سے علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح امام مواق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التاج والاکلیل'' میں فرماتے ہیں:

واما التداوی بها (أی بالخمر) فمشهور المذهب أنه لایحل، واذا قلنا: انه لا یجوز التداوی بها لا یجوز استعمالها للضرورة فالفرق ان التداوی لا یتحقق البرء بها۔

(التاج والاکلیل للمواق ج۳ ص ۲۳۳)

شراب سے علاج کے بارے میں مشہور مذہب یہ ہے کہ حلال نہیں، اور جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے علاج کرنا جائز نہیں تو اس کا معنی یہ ہیں کہ ضرورۃ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، فرق یہ ہے کہ اس سے علاج

کے نتیجے میں صحت حاصل ہو جانا یقینی نہیں ہے۔

احناف کے مذاہب اور ان کے استدلالات

اس مسئلہ میں علماء احناف کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک "تداوی بالمحرم" جائز نہیں، چنانچہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وعلی قول أبی حنیفة رحمه الله لا یجوز شربه (یعنی بول مایؤکل لحمه) للتداوی وغیره بقوله صلی الله علیه وسلم: ان الله تعالیٰ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم وعند محمد رحمه الله یجوز شربه للتداوی وغیره لأنه طاهر عنده وعند أبی یوسف رحمه الله یجوز شربه للتداوی لاغیر، عملاً بحدیث العرنیین۔

(المبسوط للسرخسی باب الوضوء والغسل ج ۱ ص ۵۴)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق علاج وغیرہ کے لئے ان جانوروں کا بھی پیشاب پینا جائز نہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو چیزیں تم پر حرام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر تمہارے لئے شفاء نہیں رکھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علاج وغیرہ کے لئے ایسے جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے کیونکہ وہ پاک

ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث عرنیین پر عمل کرتے ہوئے صرف علاج کے طور پر ایسے جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے، دوسرے مقاصد کے لئے جائز نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ "البحر الرائق" میں فرماتے ہیں:

وقال ابویوسف: یجوز للتداوی لأنه لماورد الحدیث به فی قصة العرنیین جاز التداوی به وان کان نجسا..... ووجه قول أبی حنیفة رحمه الله أنه نجس والتداوی بالطاهر المحرم کلبن الأتان لایجوز فماظنك بالنجس، ولأن الحرمة ثابتة فلا یعرض عنها إلا بتیقن الشفاء وتأویل ماروی فی قصة العرنیین أنه علیه السلام عرف شفاءهم فیه وحیاً ولم یوجد تیقن شفاء غیرهم لأن المرجع فیه الأطباء وقولهم لیس بحجة قطعیة وجاز أن یکون شفاء قوم دون قوم لاختلاف الأمزجة حتی لوتعین الحرام مدفعا للهلاك الآن یحلّ کالمیتة والخمر عند الضرورة۔ (البحرالرائق ج ۱ ص ۱۱۵)

یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام سے علاج کرنا

جائز ہے، اس لئے کہ عرنیین کے واقعہ میں جو حدیث وارد ہوئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے اگرچہ وہ ناپاک ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے، جب ایسی چیز جو پاک ہو اور حرام ہو جیسے گدھی کا دودھ، اس سے علاج جائز نہیں تو پھر وہ چیز جو حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ناپاک بھی ہو تو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ دوسرے یہ کہ اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا جو چیز حدیث سے ثابت ہو، اس سے اس وقت تک انحراف نہیں کیا جائے گا جب تک شفاء یقینی نہ ہو۔ اور عرنیین والے قصہ کی یہ تاویل کی جائے گی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں شفاء کا یقینی ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہوگیا تھا، جبکہ دوسرے لوگوں کے حق میں شفاء کا یقینی ہونا معلوم نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ شفاء کا یقینی اور غیر یقینی کا پتہ چلانے کا ذریعہ اطباء ہیں اور اس بارے میں ان کا قول حجت قطعیہ نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو شفاء ہو جائے اور دوسرے لوگوں کو شفاء نہ ہو، کیونکہ مزاجوں کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ اگر کسی حرام چیز کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کے ذریعہ مریض کی جان بچ جائے گی تو وہ چیز حلال ہو جائے گی جیسے ضرورت کے وقت مردار جانور اور شراب حلال ہو جاتی ہے۔

اکثر مشائخ حنفیہ کا فتویٰ اور ان کے دلائل

لیکن اکثر مشائخ حنفیہ نے حرام سے علاج کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، بشرطیکہ ماہر معالج یہ بتائے کہ اس مریض کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور

دوا نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد وقع الاختلاف بین مشایخنا
فی التداوی بالمحرم، ففی النهایة
عن الذخیرة: الا ستشفاء بالحرام
یجوز اذاعلم أن فیه شفاء ولم یعلم
دواء آخر اھ وفی فتاوی
قاضیخان معزیا الی نصربن سلام:
معنی قول علیه السلام: ان الله لم
یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم،
انما قال ذلک فی الأشیاء التی
لایکون فیها شفاء فأما اذاکان فیها
شفاء فلا بأس به، ألا تری ان
العطشان یحل له شرب الخمر
للضرورة ھ۔

(البحر الرائق ج ۰ ص ۱۱۶)

یعنی ہمارے مشائخ کے درمیان "تداوی بالمحرم" کے مسئلے میں اختلاف واقع ہوا ہے، چنانچہ "نہایہ" میں "ذخیرہ" سے یہ منقول ہے کہ حرام سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس کے اندر شفاء ہے اور کسی دوسری دواء کے بارے میں علم نہ ہو۔ فتاوی قاضی خان میں نصر بن سلام کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

"ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما

حرم علیکم"

اللہ تعالی نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

ان اشیاء کے بارے میں ہے کہ جن میں شفاء نہیں ہے، لیکن اگر کسی چیز میں شفاء ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پیاسے انسان کے لئے ضرورت کے وقت شراب پینا حلال ہے۔

اوپر کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ حنفیہ نے تداوی بالمحرم کے جواز میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا ہے جبکہ طبیب کو اس بیماری کے لئے کوئی دوسری دوا معلوم نہ ہو، البتہ یہ بات مجھے کہیں نہیں ملی کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جواز کے قول میں اس بات کو شرط قرار دیا ہے کہ طبیب کو اس مرض کے لئے دوسری دوا کا علم نہ ہو یا شرط قرار نہیں دیا؟ امام سرخسی اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہم کی نقل کردہ عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی شرط کے بغیر مطلق تداوی بالمحرم جائز ہے، لیکن مشائخ حنفیہ نے ان کے قول کو صرف خاص صورت میں ہی اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ طبیب کو جب اس مرض کے لئے کسی دوسری حلال دوا کا علم نہ ہو۔

حرام اشیاء سے علاج ناجائز ہونے پر استدلالات

جو حضرات فقہاء "تداوی بالمحرم" کو حرام قرار دیتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله انزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بالحرام۔

(ابو داؤد، کتاب الطب، باب الا دوية المكروهة)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل فرمائی ہیں اور ہر بیماری کے لئے دوا ہے، لہٰذا علاج کرو اور حرام سے علاج مت کرو۔

۲۔ عن عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللّٰہ عنہ أن طبیباً سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ضفدع یجعلها فی دواء فنهاه النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن قتلها۔ (ایضاً)

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے بارے میں سوال کیا کہ کیا میں اس کو دواء میں شامل کرسکتا ہوں؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا۔

۳۔ عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنہ قال: نهیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الدواء الخبیث۔ (ایضاً)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک دوا کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ عن وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنہ: ذکر طارق بن سوید اوسوید بن طارق، سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الخمر فنهاه

ثم سأله فنهاه فقال له: يا نبي اللّٰه ! انها دواء، قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا ولكنها داء۔

(ايضاً، وابن ماجه في الطب، رقم ۳۵۰۰، والدارمي في الاشربة ۲/ ۳۸، رقم ۲۱۰۴)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید یا سوید بن طارق نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے استعمال کے بارے میں سوال کیا، آپ نے منع فرمادیا، دوبارہ سوال کیا، آپ نے پھر منع فرمادیا، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ایک دوا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔

۵۔ اخبرنا احمد بن علي بن المثنى حدثنا ابوخيثمة حدثنا جرير عن الشيباني عن حسان بن مخارق قال: قالت ام سلمة: اشتكت ابنة لي فنبذت لها في كوز فدخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و هويغلي فقال: ماهذا؟ فقلت: ان ابنتي اشتكت فنبذت لها هذا، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان اللّٰه لم يجعل شفاء كم في حرام۔

(اخرج ابن حبان في صحيحه، وراجع: موارد الظمآن للهيثمي ص ۳۳۹، رقم ۱۳۹۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میری بیٹی بیمار ہوگئی تو میں

نے ایک کوزہ میں اس کے لئے نبیذ بنائی، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس نبیذ میں اُبال آ رہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میری بیٹی بیمار ہوگئی ہے، اس لئے میں نے اس کے لئے نبیذ بنائی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کے اندر تمہارے لئے شفاء نہیں رکھی ہے۔

۶۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح معانی الآثار" کے "باب ما یؤکل لحمہ" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ما کان اللّٰہ لیجعل فی رجس او فیما حرم شفاء

یعنی اللہ تعالیٰ نے ناپاک اور حرام چیز میں شفاء نہیں رکھی۔

ایک اور روایت حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

اشتکی رجل منا فنعت له السکر فاتینا عبد اللّٰہ فسألناہ فقال: ان اللّٰہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم۔

یعنی ہم میں سے ایک شخص بیمار ہوگیا، اس کے لئے بطور علاج نشہ آور چیز بتلائی گئی، تو ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جو تم پر حرام کی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے یہ اثر صحیح بخاری کی ''کتاب الاشربۃ ، باب شراب الحلواء والعسل'' میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔

۷۔ عن عطاء قال: قالت عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا: اَللّٰھُمَّ لاتشف من استشفی بالخمر۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی)

حضرت عطاءؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس شخص کو شفا مت دے جو شراب سے شفاء حاصل کرے۔

تداوی بالمحرم کے جواز کے قائل ائمہ کی طرف سے جواب

جو حضرات فقہاء ''تداوی بالمحرم'' کے جواز کے قائل ہیں، وہ مندرجہ بالا احادیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث اور آثار ''حالت اختیار'' پر محمول ہیں۔ حالت اختیار کا مطلب یہ ہے کہ اس مرض کی دوسری دواء کے بارے میں علم ہو۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' (ج ا ص ۲۹۰) میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض الباری'' (ج ا ص ۳۲۹) میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بذل المجہود'' (ج ۱۶ ص ۱۹۹) میں علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف السنن'' (ج ا ص ۲۷۸) میں اسی جواب کو اختیار فرمایا ہے۔

اور علامہ شیخ محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''امانی الاحبار'' میں

بھی ان احادیث کا یہی جواب دیا ہے۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ اضافہ بھی فرمایا ہے کہ:

جاء الیقین باباحۃ المیتۃ والخنزیر عند خوف الھلاک من الجوع، فقد جعل تعالیٰ شفاء نامن الجوع المھلک فیما حرّم علینا فی تلک الحال ونقول: نعم ان الشیئی مادام حراماً علینا فلا شفاء لنا فیہ فاذا اضطررنا الیہ فلم یحرم علینا حینئذ بل ھو حلال فھولنا حینئذ شفاء، وھذا ظاھر الخبر۔

یعنی اگر بھوک سے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو اس وقت مردار جانور اور خنزیر کو مباح ہونا یقینی ہے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے والی بھوک کے وقت ایسی چیز کے اندر ہمارے لئے شفاء رکھی ہے جو اس حالت میں ہمارے اوپر حرام تھی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے جب تک کوئی چیز ہم پر حرام ہوگی، اس وقت تک اس کے اندر ہمارے لئے شفاء نہیں ہوگی، لیکن جب ہم اس کے استعمال کی طرف مجبور ہو جائیں گے تو اس وقت وہ چیز ہم پر حرام نہیں رہے گی بلکہ وہ حلال ہو جائے گی، لہٰذا اس وقت وہ چیز ہمارے لئے شفاء بن جائے گی، یہ بات بالکل واضح ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

❀❀❀
❀

جانوروں کے ذبح کے احکام

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جانوروں کے ذبح کے احکام اور غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کے احکام

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ
اجمعین۔ وعلیٰ کل من تبعھم باحسان إلی
یوم الدین۔ أمّا بعد!

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے لئے حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان جانوروں کے دوسرے اجزاء سے نفع اٹھانا حلال فرمایا ہے، لیکن یہ حلت مطلق نہیں ہے، بلکہ ان احکام کے تابع ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، ان احکام کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوان بھی درحقیقت انسان ہی کی طرح ہے، جس طرح انسان کے اندر روح اور ادراک اور احساس پایا جاتا ہے، اسی طرح حیوان کے اندر بھی یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جس

طرح انسان راحت اور تکلیف محسوس کرتا ہے، اسی طرح جانور بھی راحت اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اس اعتبار سے تو انسان کے لئے جانور کو ذبح کرنا، اس کو کھانا اور اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، کائنات کے لئے مخدوم بنایا ہے۔ اور دوسری تمام مخلوق کو انسان کے مصالح اور فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا (۱)

یعنی زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے حیوان کو ذبح کر کے کھانا خلاف اصل محض اپنے فضل سے حلال فرما دیا ہے، لیکن اس حلت کو بعض احکام تعبدی کے تابع بنا دیا ہے، اب انسان کا ان احکام پر عمل کرنا درحقیقت اس بات کا اعتراف کرنا ہے کہ حیوان کی حلت اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا انسان اپنے جیسے جاندار سے انتفاع حاصل کرنے اور اس کو کھا کر لذت حاصل کرنے کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوگا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا اعتراف نہ کر لے، اور جب تک اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔ اور جب تک ان احکام کا التزام نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے حیوان کی روح نکالنے کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت ۲۹۔

"شریعت اسلامیہ" ذبح حیوان کے بارے میں خاص طریقے اور اصول مقرر کرنے اور اس کے احکام بیان کرنے میں دوسری تمام شریعتوں سے بالکل ممتاز ہے، لہٰذا "ذبح حیوان" کا معاملہ ایسے معمولی امور میں سے نہیں ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور مصلحت کے مطابق اپنی آسانی کے لئے جس طرح چاہے انجام دے اور وہ کسی اصول اور احکام کا پابند نہ ہو، بلکہ یہ معاملہ ان "امور تعبدیہ" میں سے ہے جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں بیان کردہ احکام کی پابندی کرنا ایک مسلمان کے لئے لازم ہے۔

چنانچہ "ذبح حیوان" کے بارے میں مفتی محمد عبدہ اور ان کے شاگرد شیخ رشید رضا کا جو مسلک ہے کہ یہ "امور عادیہ" میں سے ہے "امور تعبدیہ" میں سے نہیں ہے اور انسان کے لئے اس معاملے میں آزادی کے ساتھ ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے (۱) صریح خطا ہے اور نصوص صریحہ سے متصادم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:

من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة اللّٰہ ورسوله۔

جو شخص ہماری طرح نماز ادا کرے اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، ایسا شخص

---

(۱) دیکھئے: تفسیر المنار

مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

اس سے زیادہ صریح ایک اور روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله فإذا قالوها وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا و ذبحوا ذبيحتنا فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم إلا بحقها (۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کلمہ طیبہ "لا إله إلا الله" کہیں، جب وہ لوگ یہ کلمہ کہہ دیں اور ہماری جیسی نماز ادا کریں اور ہمارے قبلے کا استقبال کریں اور ہمارے طریقے سے ذبح کریں تو اس وقت ان کا خون اور ان کا مال ہمارے اوپر حرام ہے۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے ذبح کو نماز اور استقبال قبلہ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے اور اس کو "شریعت اسلامیہ" کے امتیازات میں سے شمار فرمایا جس کے ذریعہ مسلمان غیر مسلم سے ممتاز ہو جاتا

(۱) صحیح بخاری، باب فضل استقبال القبلۃ، حدیث نمبر ۳۹۱، ۳۹۲، از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

ہے، اور یہ چیز اسلام کی اُن علامات اور شعائر میں سے ہے جس کے ذریعہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور جس کی وجہ سے وہ اپنا خون اور مال دوسرے مسلمانوں سے محفوظ کر لیتا ہے، پھر اس بات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے بڑی شہادت کس کی ہوسکتی ہے کہ مشروع طریقے سے ذبح حیوان امور تعبدیہ میں سے ہے اور دین کے ایسے شعائر میں سے ہے کہ اس پر عمل کرنے والے کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" میں فرماتے ہیں:

وفیه أن أمور الناس محمولة علی الظاهر فمن اظهر شعار الدین اجریت علیه احکام أهله مالم یظهر منه خلاف ذلك (۱)

اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ لوگوں کا معاملہ ظاہر پر محمول ہے، لہٰذا جو شخص دین کے شعار کا اظہار کرے تو جب تک اس سے اس کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو اس پر دین کے ماننے والوں کے احکام جاری کیے جائیں گے۔

لہٰذا اگر "حیوان کا ذبح" خاص احکام کے تابع نہ ہوتا تو پھر ہر حیوان کا کھانا مسلمان کے لئے جائز ہوتا، چاہے اس جانور کو کسی آتش پرست نے

(۱) فتح الباری، ج ۱، ص ۴۹۷۔

ذبح کیا ہو یا بت پرست یا دھریے نے ذبح کیا ہو، صرف مسلمان یا کتابی کے ذبیحہ پر حلت موقوف نہ ہوتی، اور یہ واضح بات ہے کہ حیوان کے علاوہ غذائیں جو نباتات وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں ''اسلام'' نے یہ شرط نہیں لگائی کہ ان کا بنانے والا مسلمان یا کتابی ہو، بلکہ ان غذاؤں کو بنانے والے کے مذہب سے قطع نظر کرتے ہوئے استعمال کرنا جائز ہے، اب اگر ''ذبح حیوان'' ان امور عادیہ میں سے ہوتا جن میں کوئی شرعی پابندی نہیں تو اس صورت میں ذبح کرنے والے کے دین سے قطع نظر کرکے حیوان کا گوشت کھانا جائز ہوتا (حالانکہ ایسا نہیں ہے) لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''شریعت اسلامیہ'' میں حیوانی غذاؤں کو خصوصیت دی گئی ہے اور ان کے استعمال کے حلال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت میں شرعی ذبح کے بیان کردہ احکام کے موافق ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ ''شکار اور ذبح'' کے احکام فقہ اسلامی کے اہم ابواب میں شمار ہوتے ہیں، اور فقہاء نے یہ احکام قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ کی روشنی میں تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، اور فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں **''کتاب الصید والذبائح''** شامل نہ ہو۔ اس مقالے میں ان تمام احکام کو سمیٹنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف ذبح کے بنیادی اصول بیان کرنا اور ان اصولوں کو موجودہ دور کے حالات پر منطبق کرنا مقصود ہے، چنانچہ اس مقالے کو مندرجہ ذیل موضوعات پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ شرعی ذبح اور اس کی شرائط۔

الف:۔ حیوان کی روح نکالنے کا طریقہ۔

ب:۔ ذبح کے وقت "بسم اللہ" پڑھنا۔

ج:۔ ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا۔

۲۔ موجودہ دور کے مذبح خانوں میں ذبح کے طریقے۔

۳۔ ذبح کرنے والے کے بارے میں معلوم نہ ہونے کی صورت میں جانور کا حکم۔

۴۔ درآمد شدہ گوشت کا حکم۔

اللہ تعالیٰ صحیح اور درست بات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اپنی مرضیات کی طرف رہنمائی عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿۱﴾ شرعی ذبح اور اس کی شرائط

"تذکیہ" اور "زکاۃ" لغوی اعتبار سے پورا کرنے کے معنی میں آتے ہیں، اسی وجہ سے اگر لفظ "زکاۃ" عمر اور فہم کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی عمر اور سمجھداری میں کامل ہونے کے آتے ہیں۔(۱) اور ذبح کے شرعی طریقے کو "زکاۃ" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں جن کے نتیجے میں جانور کا کھانا حلال ہو جاتا ہے، چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) لسان العرب لابن منظور، ج ۱۴، ص ۳۸۸، لفظ "زکا"

نے سورۃ مائدہ کی آیت "اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ" کی تفسیر میں فرمایا کہ:

ای اَدْرَکْتُمْ ذکاته عَلٰی التمام۔ (۱)

بعض علماء نے فرمایا کہ "تذکیہ شرعی" "تذکیۃ" بمعنی "تطیب" (خوشبودار بنانا) سے ماخوذ ہے۔ جیسے اہل عرب بولتے ہیں "رائحۃ ذکیۃ" بہترین خوشبو، چنانچہ جب حیوان کا خون بہا دیا جاتا ہے تو اس کی خوشبو بھی عمدہ ہو جاتی ہے۔

یہ تو اس کے لغوی معنی تھے۔ "تذکیہ" کے اصطلاحی معنی امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائے ہیں:

انه عبارة عن إنهار الدم و فری الاوداج فی المذبوح، والنحر فی المنحور، والعقر فی غیر المقدور علیه مقرونا بنیة القصد لله تعالٰی و ذکره علیه۔ (۲)

"تذکیہ" کے اصطلاحی معنی ہیں "خون بہانا" اور اگر وہ جانور ذبح کیا جانے والا ہے تو اس کی رگیں کاٹنا اور نحر کیا جانے والا ہے (جیسے اونٹ) تو اس کو نحر کرنا اور اگر اس جانور کی رگیں کاٹنے یا اس کو نحر کرنے پر

(۱) تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۵۲، ۵۳۔
(۲) تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۵۲، ۵۳۔

قدرت نہیں ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے حلال
کرنے کی نیت سے اللہ کا نام لے کر زخمی کرنا۔

چونکہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کی ہوئی "تذکیہ" کی اس اصطلاحی تعریف میں بعض شرائط اختلافی ہیں، اس لئے احسن یہ ہے کہ "تذکیہ" کی اصطلاحی تعریف یہ کی جائے:

ازهاق روح الحیوان بالطریق المشروع
الذی یجعل لحمه حلالاً للمسلم۔

ایسے مشروع طریقے سے حیوان کی روح نکالنا جس
کے نتیجے میں اس کا گوشت مسلمان کے لئے حلال ہو
جائے۔

جہاں تک ان شرائط کا تعلق ہے جو فقہاء نے "ذکاۃ شرعی" کے لئے بیان فرمائی ہیں، وہ تین عناصر پر مشتمل ہیں: ﴿۱﴾ روح نکالنے کا صحیح طریقہ ﴿۲﴾ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ﴿۳﴾ ذبح کرنے والے کے اندر ذبح کی اہلیت ہونا (یعنی اس کا مسلمان یا کتابی ہونا) اب ہم ان تینوں موضوعات پر تفصیل سے کلام کریں گے۔ واللہ المستعان۔

الف۔ حیوان کی روح نکالنے کا طریقہ

حیوان کی روح نکالنے کا وہ طریقہ جو شریعت اسلامیہ کے نزدیک معتبر اور "ذکاۃ شرعی" کی شرائط پورا کرنے کے لئے کافی ہے، یہ حیوان کے

بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، لہٰذا اگر جانور کے وحشی ہونے کی وجہ سے اس کو پکڑ کر ذبح کرنا ممکن نہیں ہے یا جانور مانوس تو ہے لیکن وہ بدک گیا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں کسی بھی آلہ جارحہ سے اس کو زخمی کر کے اس کا خون بہا دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے، ایسے جانور کے حلال ہونے کے لئے اس کو ذبح کرنا یا اس کو نحر کرنا شرط نہیں ہے۔ ذکاۃ کی اس قسم کو "ذکاۃ اضطراری" کہا جاتا ہے۔ "ذکاۃ اضطراری" کے احکام کا بیان ہماری بحث سے خارج ہے۔

اور اگر اس جانور کے ذبح پر انسان کو قدرت حاصل ہے، یا تو اس وجہ سے کہ وہ مانوس ہے، یا ہے تو وحشی لیکن اس پر قابو پالیا گیا ہے تو ایسے جانوروں کے ذبح کے وقت اس کی رگیں کاٹ کر خون بہانا واجب ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

﴿۱﴾ عن رافع بن خديج رضي الله عنه في حديث طويل أن جده سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفنذبح بالقصب؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أنهر الدم وذكر اسم الله فكل۔ (۱)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب التسمیة على الذبيحة، حدیث نمبر ۵۴۹۸۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ ان کے دادا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم جانور کو بانس کے چھلکے سے ذبح کر سکتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جو چیز خون بہادے اور اس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو۔

اس حدیث میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے دادا نے ''ذبح'' کے بارے میں سوال کیا اور ''ذبح'' رگیں کاٹنے ہی کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ عطاء نے بخاری پر تعلیق کرتے ہوئے اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔(۱) لہٰذا سوال و جواب کے مجموعہ سے اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ جانور کی اس طرح رگیں کاٹنے سے ''ذکاۃ شرعی'' حاصل ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس کا خون بہہ جائے۔

﴿۳﴾ عن ابن عباس و ابی ھریرۃ رضی اللہ عنھما قالا: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شریطۃ الشیطان وھی التی تذبح فیقطع الجلد ولا تفری الأوداج تترك

(۱) باب النحر و الذبح، باب نمبر ۲۴، من الذبائح والصید،

حتی تموت۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے چیرے سے منع فرمایا ہے، وہ یہ کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ اس کی کھال کاٹ کر اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی رگیں نہ کاٹی جائیں یہاں تک کہ وہ جانور مر جائے۔

"شریطة" کی تفسیر میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الشريطة" الناقة ونحوها التي شرطت أي الرفي حلقها اثر يسير كشرطة الحجام من غير قطع الاوداج ولا اجراء الدم، وكان هذا من فعل الجاهلية يقطعون شيئا يسيراً من حلقها، فيكون ذلك تذكيتها عندهم، و إنما اضافها الى الشيطان كأن الشيطان

(۱) أبوداؤد، كتاب الأضاحي، باب المبالغة في الذبح، امام ابوداؤد نے اس حدیث کی سند پر سکوت فرمایا ہے۔ البتہ اس کی سند میں ایک راوی "عمرو بن عبداللہ الأسوار ہیں جن کو "عمرو بن برق" کہا جاتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "التقریب" میں ان کے بارے میں فرمایا کہ "صدوق فيه لين"۔

حملهم علی ذلك۔ (۱)

''شریطۃ'' یہ ہے کہ کسی اونٹ وغیرہ کے حلق میں رگیں کاٹے اور خون بہائے بغیر تھوڑا سا چھرا لگایا جائے جیسے سینگی لگانے والا چیرا لگاتا ہے، اور یہ فعل زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ جانور کے حلق کو تھوڑا سا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے اور یہی ان کے نزدیک ''تذکیہ'' ہوتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو شیطان کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ شیطان نے ہی ان کو اس عمل پر اکسایا تھا۔

﴿۳﴾ عن عدیّ بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ! أن احدنا اصاب صیدًا ولیس معہ سکین أیذبح بالمروۃ وشقۃ العصا؟ فقال: امرر الدم بماشئت واذکر اسم اللہ عزّوجلّ۔ (۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) جامع الاصول لابن الاثیر، ج ۴، ص ۴۸۴، حدیث نمبر ۲۵۶۷۔

(۲) أبوداؤد، باب الذبیحۃ بالمروۃ، وسکت علیہ ھو والمنذری۔

سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم میں سے کوئی شخص شکار کا جانور پکڑے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ اس جانور کو کانچ اور لکڑی کے چھلکے سے ذبح کر سکتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ جس چیز سے چاہو خون بہا دو، اور خون بہاتے وقت اس پر اللہ کا نام لو۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

انی أرسل کلبی فآخذ الصید فلا أجد ما أذکیه به فأذبحه بالمروة وبالعصا قال: انهر الدم بما شئت واذکر اسم اللّٰه عزوجل (۱)

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں شکار کرنے کے لئے کتا چھوڑتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جانور شکار کر لیتا ہوں، لیکن مجھے کوئی چیز نہیں ملتی جس سے

(۱) سنن نسائی، کتاب الاضاحی، باب اباحة الذبح بالعود، ج ۷، ص ۲۲۵، حدیث نمبر ۴۴۰۱، اس حدیث کی سند میں ایک راوی "مری بن قطری الکوفی" ہیں جن کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں "لا یعرف" تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۹۹۔

اس شکار کو ذبح کروں تو میں اس کو کانچ یا لکڑی سے
ذبح کر دیتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: جس چیز سے چاہو خون بہادو اور اس کو ذبح
کرتے وقت اللہ کا نام لو۔

﴿۴﴾ عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ
عنهما أنه قال: ماقری الاوداج فکله۔ (۱)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
جس جانور کی رگیں کاٹ دی جائیں اس کو کھالو۔

مندرجہ بالا احادیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی بنیاد پر فقہاء نے "ذبح شرعی" کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس ذبح میں رگیں کاٹ دی جائیں۔ "أوداج وَدَج" بفتحتین کی جمع ہے اور یہ ایک رگ کا نام ہے جو گردن میں ہوتی ہے، دراصل یہ دو رگیں ہوتی ہیں، چنانچہ علامہ ابن منظور ابن سیدہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الودجان عرقان متصلان من الرأس الی
السحْر والجمع "أوداج" (۲)
"ودجان" یہ دو رگیں ملی ہوئی ہیں اور سر سے

(۱) موطا امام مالک، کتاب الذبائح، باب مایجوز من الذکاۃ فی حال الضرورۃ، ج ۲، ص ۴۸۹۔
(۲) لسان العرب: ج ۲، ص ۳۹۷، تحت المادۃ۔

پھیپھڑے تک جاتی ہیں اور وَدَج کی جمع اَوداج آتی ہے۔

لیکن بعض فقہاء نے لفظ ''وَدَج'' کے استعمال میں توسع اختیار کرتے ہوئے ''حلقوم'' اور ''مری'' کو بھی اس کے اندر داخل کر دیا ہے۔ ''حلقوم'' سانس کی نالی کو کہا جاتا ہے اور ''مری'' کھانے کی نالی کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثم الأوداج أربعة : الحلقوم و المرئ والعرقان اللذان بينهما الحلقوم والمرئ (۱)

اوداج چار رگیں ہیں، ایک حلقوم، ایک مری، اور دو وہ رگیں ہیں جن کے درمیان میں حلقوم اور مری ہوتی ہیں۔

اس میں تو کسی فقیہ کا اختلاف نہیں کہ ''ذبح شرعی'' کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ یہ چاروں رگیں کاٹ دی جائیں۔ (۲) لیکن اگر بعض رگیں کاٹ دی جائیں اور بعض رگیں چھوڑ دی جائیں تو اس جانور کے حلال ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ج ۵ ص ۴۱۔

(۲) المغنی لابن قدامة ج ۱۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلقوم اور مری کا کاٹنا واجب ہے اور ذکاۃ شرعی کے لئے ان دو رگوں کا کاٹ دینا کافی ہے، اگرچہ ودجین میں سے کوئی ایک رگ بھی نہ کٹے۔(۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں روایات مختلف ہیں، البتہ ان کی کتابوں سے ان کا راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حلقوم اور ودجین کو کاٹنا واجب ہے، "مری" کو کاٹنا واجب نہیں۔(۲)

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ ان کی ایک روایت تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اور ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ ودجین کو حلقوم اور مری دونوں کے ساتھ کاٹنا واجب ہے، اس طرح ان کے نزدیک چاروں رگوں کو کاٹنا شرط ہے۔(۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سی تین رگیں کاٹ دی جائیں اور ایک رگ چھوڑ دی جائے تب بھی جانور حلال ہو جائے گا۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک حلقوم، مری اور ودجین میں سے ایک رگ نہ کاٹ دی جائے اس وقت تک جانور حلال نہیں ہوگا۔

---

(۱) فتح الباری، ج ۹، ص ۶۳۱، الأم، ج ۲، ص ۲۵۹۔

(۲) الذخیرۃ للقرافی، ج ۴، ص ۱۳۳۔

(۳) المغنی لابن قدامہ، ج ۱۱، ص ۴۴، ۴۵۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک چاروں رگوں کا اکثر حصہ نہ کاٹ دیا جائے اس وقت تک جانور حلال نہیں ہوگا۔(۱)

بہرحال! فقہاء کے درمیان مندرجہ بالا اختلاف کے باوجود تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ "ذکاۃ اختیاری" کا محل حلق اور نرخرہ ہے، جانور کے حلال ہونے کے لئے ان چار رگوں میں سے ایک سے زیادہ رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔ اور جن فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ ودجین میں سے کم از کم ایک کا کٹنا ضروری ہے، ان کا قول راجح ہے، اس لئے کہ کامل طور پر خون کا بہانا اسی وقت متحقق ہو سکتا ہے جب خون کی رگ کو کاٹ دیا جائے، چنانچہ امام قرافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ویؤکده قوله علیه السلام : ماانهر الدم وذکر اسم الله فکل ۔(۲)

اس قول کی تائید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس جانور کو کھالو۔

اور خون کا بہانا خون کی رگیں کاٹنے سے حاصل ہوتا ہے، اور "انہار"

(۱) بدائع الصنائع، ج ۵، ص ۴۱۔

(۲) الذخیرۃ للقرافی، ج ۴، ص ۱۳۳۔

کے اصل معنی "وسعت" اور "گنجائش" کے ہیں، "نہر" کو بھی "نہر" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں پانی کے لئے گنجائش ہوتی ہے اور دن کو "نہار" اس لئے کہا جاتا ہے کہ دن میں روشنی بہت وسیع ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ چار رگوں میں سے تین رگوں کا کٹنا تمام رگوں کے کٹنے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، کیونکہ جن مسائل میں توسع ہے ان میں شریعت کا اصول "للأکثر حکم الکل" جاری ہوتا ہے، اور "ذکاۃ شرعی" ان چیزوں میں سے جس میں توسع پایا جاتا ہے، اس لئے کہ فقہاء کے درمیان کیفیت ذکاۃ کے بارے میں تو اختلاف ہے، لیکن اس میں اختلاف نہیں ہے کہ بعض رگوں کا کٹ جانا "ذکاۃ شرعی" کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں "اکثر" "کل" کے قائم مقام ہو جائے گا۔(۱)

آلۂ ذبح

اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ "ذکاۃ شرعی" کے لئے آلۂ ذبح دھاردار ہونا واجب ہے کہ وہ آلہ اپنی دھار کی وجہ سے جانور کو کاٹ دے یا پھاڑ دے، اپنے بوجھ اور وزن کی وجہ سے نہ پھاڑے، البتہ چھری یا چاقو ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ ہر اس چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو دھاردار ہو، چاہے وہ لوہے کی بنی ہوئی ہو یا پتھر کی ہو، یا لکڑی کی ہو، اس کی دلیل وہ

(۱) بدائع الصنائع، ج ۵، ص ۴۲۔

حدیث ہے جو محدثین وغیرہ نے بیان فرمائی ہے:

عن رافع بن خديج رضى الله عنه قلت: يا رسول الله ﷺ إنا ملاقوا العدو غدا وليس معنا مدى، أفنذبح بالقصب قال: ما أنهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوه، ليس السن والظفر - (۱)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آئندہ کل ہم دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ کوئی چھری نہیں ہے، تو کیا ہم بانس سے جانور ذبح کرلیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو کھاؤ، بشرطیکہ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔

پیچھے حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی روایت گزری ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کانچ اور لکڑی کے چھلکے سے

(۱) دیکھئے جامع الاصول لابن الاثیر، ج ۳، ص ۳۸۹۔

ذبح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: جس چیز سے چاہو خون بہادو۔ لیکن تمام احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے آلے سے قطع اور خرق ضروری ہے جو خون بہادے، اور اس آلے کے دھاردار ہونے کے وجوب پر تمام فقہاء متبوعین کا اجماع ہے۔ البتہ دانت اور ناخن کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ حجازیین فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے کسی حال میں بھی ذبح کرنا جائز نہیں، چاہے وہ جسم سے لگے ہوئے ہوں یا علیحدہ ہوں، اس لئے کہ ان کے بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث عمومیت پر دلالت کر رہی ہے اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ ذبح میں سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالا کو اس دانت اور ناخن پر محمول فرمایا ہے جو جسم کے ساتھ متصل ہو، اس لئے کہ اس صورت میں اس جانور کی موت گلا گھوٹنے کی وجہ سے واقع ہوگی۔ لیکن وہ دانت اور ناخن جو جسم سے متصل نہ ہوں، بلکہ کٹے ہوئے ہوں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے ذکاۃ شرعی مع الکراہۃ حاصل ہو جائے گی۔ (۱)

جانور کی رگیں کاٹے بغیر روح نکالنا

ایسا جانور جس پر انسان کو ذبح کرنے کی قدرت حاصل ہے، اگر اس

(۱) دیکھئے: ردالمحتار، ج ۵، ص ۲۰۸۔

کی رگیں کاٹے بغیر روح نکال دی جائے تو اس سے "ذکاۃ شرعی" حاصل نہیں ہوگی اور وہ جانور حلال نہیں ہوگا، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔ (۱)

حرام کیا گیا ہے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جس کا گلا گھونٹا گیا ہو، جس کو غیر دھار دار بھاری آلے سے مارا گیا ہو، جو اوپر سے گر کر مر گیا ہو اور جو جانور دوسرے جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہو، اور جس جانور کو درندے نے کھایا ہو، البتہ وہ جانور جس کو تم ذبح کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"منخنقة" وہ جانور ہے جس کی موت گلا گھٹنے کی وجہ سے واقع ہو جائے، چاہے قصداً اس کا گلا گھونٹا جائے یا اتفاقاً ایسا ہو جائے، مثلاً کوئی جانور اپنی رسی کے اندر الجھ جائے، جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو جائے۔

(۱) سورۃ المائدۃ، آیت ۳۔

ایسے جانور کو کھانا حرام ہے۔

"موقوذۃ" وہ جانور ہے جس کو غیر دھار دار بھاری چیز سے مارا جائے، یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے اس کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ یہ وہ جانور ہے جس کو لکڑی سے مارا جائے یہاں تک کہ اس کو کوٹ دیا جائے اور اس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو جائے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے لوگ جانور کو لکڑیوں سے مارا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ جانور مر جاتا تو اس کو کھا لیتے۔

صحیح میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں "معراض" (۱) کو شکار کی طرف پھینکتا ہوں اور شکار حاصل کر لیتا ہوں۔

(۱) "معراض" بکسر المیم۔ وہ تیر جو بغیر پر اور نصل کے ہو، جو چوڑائی میں چلتا ہے اور چوڑائی میں جا کر جانور کو لگتا ہے، دھار کی طرف سے نہیں لگتا۔ لسان العرب، لابن منظور، ج ۹، ص ۱۴۲، تاج العروس، ج ۵، ص ۵۰، پر "معراض" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دو لکڑیوں سے بنتا ہے جس کے دونوں کنارے باریک ہوتے ہیں اور درمیان سے موٹا ہوتا ہے جیسے روٹی دھنے کی لکڑی ہوتی ہے۔ جب شکاری اس کو پھینکتا ہے تو سیدھا جاتا ہے، البتہ جانور کو چوڑائی کی طرف سے لگتا ہے، کنارے سے نہیں لگتا۔ لیکن اگر جانور قریب ہو تو پھر "پھل" کی طرف سے لگ کر اس کو زخمی کر دیتا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی کے بارے میں سوال ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ''معراض'' سے شکار کرو اور وہ معراض اس جانور کو چیر دے تو اس جانور کو کھالو۔ اور اگر وہ ''معراض'' اس جانور کو چوڑائی میں لگے تو وہ جانور ''وقیذ'' (کوٹا ہوا) ہے، لہٰذا اس کو مت کھاؤ۔(۱)

لہٰذا اس حدیث میں دونوں جانوروں کے درمیان تفریق کر دی کہ جس جانور کو تیر کا دھار دار حصہ لگے، اس جانور کو حلال قرار دیا اور جس جانور کو تیر چوڑائی میں لگے اس کو ''وقیذ'' کہہ کر حرام قرار دیدیا۔ اور یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

''متردیہ'' اس جانور کو کہا جاتا ہے جو کسی اونچی جگہ سے گرنے کے نتیجے میں ہلاک ہو جائے، ایسا جانور بھی حلال نہیں ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ''متردیۃ'' وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''متردیۃ'' وہ جانور ہے جو کنویں میں گر کر مر جائے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''متردیۃ'' وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جائے یا کنویں میں گر کر ہلاک ہو جائے۔

''نطیحۃ'' وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے مر جائے، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ سینگ لگنے کی وجہ سے وہ زخمی ہو گیا

(۱) اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے مختلف ابواب کے تحت مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔

ہو اور اس کا خون بہہ گیا ہو، چاہے ذبح کرنے کی جگہ سے خون بہا ہو۔

"وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ" یعنی وہ جانور جس پر شیر، چیتے، بھیڑیے یا کتے نے حملہ کیا ہو اور پھر اس میں سے کچھ حصہ کھالیا ہو، جس کے نتیجے میں وہ جانور مر چکا ہو، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ ان درندوں کے حملہ کرنے کے نتیجے میں اس جانور کا خون بہہ گیا ہو، چاہے اس جانور کے حلق سے خون بہا ہو، لیکن اس کے باوجود فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جانور حلال نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں درندے جس بکری، اونٹ اور گائے کو شکار کرکے کھاکر چھوڑ دیتے تھے، لوگ درندے کے بچے ہوئے شکار کو کھالیتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے اس کو حرام قرار دیدیا۔

"اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ" اس کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی جن پانچ جانوروں کا بیان اوپر ہوا اگر ان میں سے کسی جانور کی موت کا سبب تو ثابت ہو چکا ہو، لیکن ابھی اس کے اندر روح باقی ہو اور اس کی وجہ سے ذبح شرعی کے ذریعہ اس کا تدارک ممکن ہو، تو ذبح شرعی کے بعد وہ جانور حلال ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی بن ابی طلحہ "الا ماذکیتم" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

الا ما ذبحتم من ھؤلاء وفیہ روح فکلوہ فھو ذکی۔

یعنی مندرجہ بالا پانچ جانوروں کو روح موجود ہونے کی حالت میں ذبح کردو۔

تو اس کو کھالو، کیونکہ وہ "ذکی" ہوا یا پاک ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن بصری اور حضرت سدی رحمہم اللہ سے بھی اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔

بہر حال! قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جانور صرف اس وقت حلال ہوتا ہے جب "ذکاۃ شرعی" کے ذریعہ اس کی روح نکالی گئی ہو۔ لہٰذا صرف کسی جانور کا گلا گھونٹ دینے سے یا کسی جانور کو وزنی چیز کے ذریعہ کوٹ دینے سے یا کسی اور طریقے سے اس جانور کا خون بہا دینے سے وہ جانور حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کسی جانور کو دوسرے جانور نے سینگ مار دیا ہو۔ یا جس جانور کو کسی درندے نے شکار کیا ہو، بعض اوقات اس جانور کے ذبح کرنے کی جگہ سے خون بہہ جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے صراحۃً دونوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ محض ذبح کی جگہ سے خون بہہ جانے کی وجہ سے جانور حلال نہیں ہوتا، بلکہ اس طریقے سے جانور کا خون بہانا ضروری ہے جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے "تذکیہ شرعی" کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

ب۔ ذبح کے وقت "بسم اللہ" پڑھنا

جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ "ذکاۃ شرعی" کے لئے ضروری ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے، لہٰذا اگر ذبح کرنے والا قصداً "بسم اللہ" چھوڑ دے تو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ نسیاناً

''بسم اللہ'' چھوڑ دے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ذکاۃ شرعی معتبر ہوگی اور وہ جانور حلال ہوگا، اور ان فقہاء کے نزدیک ذبیحہ اور صید کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک صرف ذکاۃ اختیاری میں نسیان معاف ہے، لیکن شکار کے جانور میں اگر شکار کرنے والے نے تیر چلاتے وقت یا شکاری کتا چھوڑتے وقت ''بسم اللہ'' نہیں پڑھی تو اس جانور کی ''ذکاۃ شرعی'' نہیں ہوئی، چاہے اس نے قصداً بسم اللہ چھوڑی ہو یا نسیاناً چھوڑی ہو۔(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول کے مطابق ذبح کے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔(۲) لہذا ان کے نزدیک ''ذبیحہ'' حلال ہے اگرچہ قصداً بسم اللہ چھوڑ دی ہو۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الأم'' کی مراجعت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصداً ''بسم اللہ'' چھوڑنے کے باوجود جانور کے حلال ہونے پر کوئی صراحت نہیں ہے، البتہ اس کی صراحت موجود ہے کہ نسیاناً بسم اللہ چھوڑنے پر جانور حلال ہو جائے گا۔ چنانچہ ''کتاب الأم'' کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

وإذا أرسل الرجل المسلم كلبه أو طائره المعلمين أحببت له أن يسمي، فإن لم يسم

(۱) مسلک حنفی کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع، ج ۵، ص ۴۶۔ مسلک مالکی کے لئے دیکھئے: الذخیرۃ للقرافی، ج ۴، ص ۱۳۳، الصاوی علی الدردیر، ج ۲، ص ۱۷۱۔ حنبلی مسلک کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامۃ، ج ۱۱، ص ۳۔

(۲) قلیوبی وعمیرۃ، ج ۴، ص ۲۴۵۔

ناسیا، لقتل أكل، لأنهما اذا كان قتلهما كالذكاة، فهو لونسي التسمية في الذبيحة اكل، لأن المسلم يذبح على اسم عزوجلّ وان نسي۔ (۱)

اگر کوئی مسلمان اپنا سدھایا ہوا شکاری کتا یا شکاری پرندہ شکار کے لئے چھوڑے تو اس کو چاہیے "بسم اللہ" پڑھے، اور اگر وہ بسم اللہ پڑھنا بھول جائے اور وہ کتا یا پرندہ شکاری جانور کو قتل کر دے تب بھی شکاری جانور کھالے، اس لئے کہ ان دونوں کا قتل کرنا "ذکاۃ شرعی" کے حکم میں ہے۔ جیسے کہ اگر ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کو کھالے، اس لئے کہ مسلمان اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے اگرچہ بھول جائے۔

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص ذبح کرتے وقت استخفافاً بسم اللہ پڑھنا چھوڑے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ اور مسلم قواعد کے ضمن میں یہ بیان فرمایا کہ:

---

(۱) كتاب الام للشافعي ج ۲، ص ۲۲۷، كتاب الصيد والذبائح، باب تسمية الله عزوجل عند ارسال مايصطاد۔

ان المسلم اذا نسی اسم اللہ تعالیٰ اکلت ذبیحتہ وان ترکہ استخفافاً لم تؤکل ذبیحتہ۔ (۱)

مسلمان اگر بھول کر بسم اللہ چھوڑ دے تو اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور اگر استخفافاً چھوڑ دے تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

بعض علماء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ مندرجہ بالا مسئلے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ چنانچہ "تفسیر مظہری" میں "شرح المقدمۃ المالکیۃ" سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

وکل ھذا فی غیر المتھاون واما المتھاون فلا خلاف انھا لا تؤکل ذبیحتہ تحریماً، قالہ ابن الحارث والبشیر والمتھاون ھو الذی یتکرر منہ ذالک کثیراً واللہ اعلم (۲)

"بسم اللہ" پڑھنے اور چھوڑنے کی یہ تفصیل اس شخص کے بارے میں ہے جو "بسم اللہ" پڑھنے کو حقیر نہ سمجھتا ہو، لیکن جو شخص حقیر سمجھتا ہو تو اس کے ذبیحہ کے حرام

(۱) کتاب الام، ج ۲، ص ۱۳۱، باب ذبائح أهل الکتاب۔
(۲) تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۳۱۸۔

ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، ابن الحارثؒ اور بشیرؒ
نے بھی فرمایا ہے اور "متہاون" وہ شخص ہے جو اکثر و
بیشتر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیتا ہو۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا مندرجہ بالا عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصداً "بسم اللہ" چھوڑنے کے باوجود جانور کا حلال ہونا علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک بھی اگر کوئی شخص تھاونا اور استخفافاً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے۔ اور اس کی عادت بنالے تو اس کا ذبیحہ حرام ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حلت کا حکم صرف اس صورت کے ساتھ محدود ہے جب ذبح کرنے والا اتفاقاً ایک دو مرتبہ استخفاف اور تہاون کے بغیر "بسم اللہ" پڑھنا بھول جائے، اور یہ صورت بھی کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمادیا کہ:

أحببت له أن يسمي۔

چنانچہ فقہاء شافعیہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ عمداً "بسم اللہ" چھوڑنا مکروہ ہے، اس کی وجہ سے "بسم اللہ" چھوڑنے والا گناہ گار ہوگا۔(۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ عمداً "بسم اللہ" چھوڑنے سے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانور حرام ہو جائے گا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حرام ہے بشرطیکہ استخفاف اور تہاون کی وجہ سے "بسم اللہ"

---

(۱) دیکھئے: روضۃ الطالبین، ج ۳ ص ۲۰۵، وحجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۱۸۔

چھوڑی ہو اور بسم اللہ چھوڑنا ذبح کرنے والے کی عادت ہو۔ اور جس جانور کی حرمت پر دوسرے فقہاء کا اتفاق ہے، اگرچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حرام ہونے کا حکم نہیں لگاتے لیکن ان کے نزدیک بھی وہ جانور کراہت سے خالی نہیں، اور یہ رخصت بھی ایسی ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے اس کی تقویت نہیں ہوتی اور آیات اور احادیث "تسمیہ" کو ذکاۃ شرعی کے ارکان میں سے ایک رکن ظاہر کرتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ - (۱)

جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

متروک التسمیہ کے حرام ہونے پر کوئی عبارت اس آیت سے زیادہ صریح اور واضح ہو سکتی ہے، اس آیت میں کوئی اجمال اور خفا نہیں ہے بلکہ اس میں صراحتاً "نہی" موجود ہے اور "نہی" تحریم کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور پھر قرآن کریم نے صرف "نہی" پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد ایک جملہ "وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ" بھی آیا ہے جس کے بعد تمام شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں صرف یہی ایک آیت نہیں ہے جو "تسمیہ" کے ذکاۃ شرعی کے ارکان میں سے ایک رکن ہونے پر دلالت کر رہی ہے، بلکہ بہت سی آیات

(۱) سورۃ الانعام، آیت ۱۲۱۔

اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض آیات مندرجہ ذیل ہیں:

﴿۱﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (۱)

﴿۲﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (۲)

﴿۳﴾ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ (۳)

﴿۴﴾ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ۔ (۴)

﴿۵﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (۵)

---

(۱) سورۃ المائدۃ، آیت ۴۔
(۲) سورۃ الحج، آیت ۳۴۔
(۳) سورۃ الحج، آیت ۳۶۔
(۴) سورۃ الانعام، آیت ۱۳۸۔
(۵) سورۃ الانعام، آیت ۱۱۹۔

مندرجہ بالا تمام آیات مختلف اسالیب سے اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالی کا نام لینا ان اہم عناصر میں سے ہے جس کے نتیجے میں مسلمان کے لئے حیوان کا گوشت حلال ہو جاتا ہے اور قرآن کریم نے اس بات کو صرف ایک دو آیتوں کے اندر بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہر اس موقع پر جہاں ذبیحہ کا ذکر ہو، یا شکار کا ذکر ہو، یا قربانی کا ذکر ہو، اس رکن کو ایک مستقل صفت کے ذریعہ بیان فرمایا، اور بسم اللہ چھوڑنے والے پر شدت سے نکیر فرمائی ہے اور اس عمل کو "افتراء علی اللہ" قرار دیا، اور ان لوگوں پر نکیر فرمائی جو اللہ کا نام لینے کے باوجود ذبیحہ کو حلال نہیں سمجھتے ہیں، یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا "ذکاۃ شرعی" کی بڑی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں "تسمیہ" کو ان ارکان میں سے قرار دیا ہے جن کا ذبیحہ جانور اور شکار کے حلال ہونے کے لئے پایا جانا ضروری ہے، وہ احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

﴿۱﴾ عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ماأنہر الدم و ذکر اسم اللہ فکل (۱)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ، حدیث نمبر ۵۴۹۸، محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو۔

﴿۲﴾ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : انه لقی زید بن عمرو بن نفیل بأسفل بلدح وذالك قبل ان ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الوحی، فقدمت الی النبی صلی اللہ علیه وسلم سفرة فابی أن یأکل منها، ثم قال زید: انی لست آکل مما یذبحون علی انصابکم ولا آکل الا ما ذکر اسم اللہ علیه(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نزول وحی سے پہلے زید بن عمرو بن نفیل سے "اسفل بلدح" کے مقام پر ملاقات کی، تو حضور

(۱) صحیح بخاری، مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل، حدیث نمبر ۳۸۲۶۔ کتاب الذبائح، حدیث نمبر ۵۴۹۹۔

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا
(اور کچھ گوشت لاکر سامنے رکھا گیا) حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے انکار فرمایا،
حضرت زید نے فرمایا کہ میں اس جانور کو نہیں کھاتا
ہوں جو تم اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو اور
میں صرف اس جانور کو کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا
گیا ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ''متروک التسمیہ'' کا حرام ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا حصہ ہے۔

﴿۳﴾ عن جندب بن سفيان البجلي رضي
الله عنه قال: ضحينا مع رسول الله صلى
الله عليه وسلم أضحاة ذات يوم فاذالناس
قد ذبحوا ضحايا هم قبل الصلاة، فلما
انصرف رآهم النبي صلى الله عليه وسلم
انهم قد ذبحوا قبل الصلاة فقال: من ذبح
قبل الصلاة فليذبح مكانها أخرى ومن
كان لم يذبح حتى صلينا فليذبح على اسم

اللہ(۱)

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی، بعض لوگوں نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کے جانور ذبح کر لئے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کری ہے، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کری ہے تو اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

﴿۳﴾ عن عباية بن رفاعة عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أنهر الدم و ذكر اسم الله فكل۔ (۲)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: فليذبح على اسم الله، حديث نمبر ۵۵۰۰۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ما أنهر الدم من القصب الخ، حدیث نمبر ۵۵۰۳۔

حضرت عبایہ بن رفاعہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو۔

﴿۵﴾ عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللہ عنه انه سال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اسئلة فا جاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن سؤاله فی الصید فقال: فما صدت بقوسك فاذكر اسم اللہ وكل وما صدت بكلبك المعلم فاذكر اسم اللہ وكل(۱)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوالات کئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے بارے میں ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تم اپنے کمان سے جو جانور شکار کرو تو شکار کرتے وقت اللہ کا نام لو اور اس کو کھالو، اسی طرح

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب آنیة المجوس، حدیث نمبر ۵۴۹۶۔

جو جانور تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ذریعہ شکار کرو تو اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لو اور اس کو کھالو۔

﴿۶﴾ عن عدیّ بن حاتم رضي اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلي اللّٰه عليه وسلم قال: إذا أرسلت كلابك المعلّمة و ذكرت اسم اللّٰه فكل ممّا امسكن عليك۔ (۱)

حضرت عدی حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو شکار کی طرف چھوڑا اور اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا تو اس جانور کو کھالو جو کتے تمہارے لئے چھوڑ دیں (اور خود اس میں سے نہ کھائے)

﴿۷﴾ عن عدیّ بن حاتم رضي اللّٰه عنه قال: قلت يا رسول اللّٰه ﷺ! إني أرسل كلبي أجد معه كلباً آخر لا أدري أيهما أخذه؟ فقال: لاتأكل فانّما سميت على

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ماجاء تصیّد، حدیث نمبر ۵۴۸۶۔

كلبك ولم تسم على غيره - (۱)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں شکار کے لئے اپنا کتا چھوڑتا ہوں، لیکن میں اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا بھی پاتا ہوں اور مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کتے نے جانور شکار کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جانور کو مت کھاؤ، کیونکہ تمہارے کتے پر تو بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی۔

﴿۸﴾ وعنه رضي الله عنه مرفوعاً: وإذا خالط كلاباً لم يذكر اسم الله عليها فأمسكن فقتلن فلا تأكل - (۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے کتے کے ساتھ شکار کرنے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر، حدیث نمبر ۵۴۸۶۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ ایام، حدیث نمبر ۵۴۸۴۔

میں دوسرے ایسے کتے شامل ہو جائیں جن کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور وہ سب مل کر جانور کو پکڑ کر قتل کر دیں تو تم اس جانور کو مت کھاؤ۔

﴿۹﴾ وعنه رضي الله عنه قال: قلت: يا رسول الله ﷺ إن أحدنا أصاب صيداً وليس معه سكين، أيذبح بالمروة وشقة العصا؟ قال: أمرر الدم بما شئت واذكر اسم الله عز وجل۔ (۱)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں ایک شخص شکار کا جانور پکڑ لیتا ہے، لیکن اس کے پاس ذبح کرنے کے لئے چھری نہیں ہوتی، کیا وہ کانچ اور لکڑی کی چھال سے ذبح کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز سے چاہو خون بہا دو اور اس پر اللہ عز وجل کا نام لو۔

(۱) ابوداؤد، باب الذبح بالمروۃ، حدیث نمبر ۲۴۲۲، نسائی، اباحۃ الذبح بالعود، حدیث نمبر ۴۳۰۱، یہ حدیث پیچھے بھی گزر چکی ہے۔

بہرحال! قرآن وحدیث کی مندرجہ بالا تمام نصوص ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے پر انتہائی تاکید اور کامل توجہ دینے پر دلالت کر رہی ہیں، حالانکہ ان نصوص میں سے صرف ایک نص بھی یہ بیان کرنے کے لئے کافی ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا ذبح کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، لیکن شارع نے اس بات کو صرف ایک مرتبہ بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ مختلف مناسب مقامات پر مختلف اسالیب سے بار بار مکرر اس بات کو بیان فرمایا، یہ صرف اس کی انتہائی اہمیت بیان کرنے کے لئے کیا، اور یہ جتانے کے لئے کیا کہ حیوان کی ذکاۃ شرعی کے حصول کے لئے بسم اللہ پڑھنا قطعی شرط ہے۔

البتہ صرف ایک صورت وجوب تسمیہ سے مستثنیٰ ہے، وہ حالت نسیان کی صورت ہے، چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> نسیاناً "بسم اللہ" چھوڑنا صحت ذکاۃ شرعی کے لئے مانع نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:
>
> **وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔**
>
> میں صرف "عامد" کو خطاب کیا گیا ہے، ناسی کو نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس ارشاد کے آخر میں فرمایا: **وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ** (یہ عمل گناہ ہے) اور "فسق" کی صفت "ناسی" کی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ناسی حالت نسیان میں "تسمیہ" کا مکلف نہیں ہے۔ امام اوزاعی

رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:

عن عطاء بن أبي رباح عن عبيد بن عمير عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجاوز الله عن أمتي الخطأ و النسيان وما استكرهوا عليه۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت سے خطاء، بھول چوک اور جس کام پر انہیں مجبور کیا جائے وہ سب اللہ تعالیٰ نے معاف اور درگزر فرما دیئے ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کے لحاظ سے جب "ناسی" مکلف نہیں ہے. تو اس کے ذبح کئے ہوئے جانور کی "ذکاۃ" مامور بہ طریقے پر ادا ہو جائے گی، لہٰذا اس کا تسمیہ کو چھوڑ دینا ذکاۃ شرعی کو فاسد نہیں کرے گا، اور ذکاۃ شرعی کے فوت ہونے کی بناء پر اس کی جگہ پر دوسری مرتبہ ذکاۃ شرعی لازم کرنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ ذبح کرتے وقت "تسمیہ" بھول جانے کا حکم نماز میں

"تکبیر" بھول جانے یا طہارت وغیرہ بھول جانے کی طرح نہیں ہے، کیونکہ نماز میں تکبیر اور طہارت کا حکم یہ ہے کہ بھول جانے کے بعد جب یاد آ جائیں تو دوسری مرتبہ فرض آخر کے طور پر ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن ذبح میں فرض آخر کے طور پر لازم کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ذکاۃ کا محل ہی فوت ہو چکا ہے۔(۱)

"نسیان" والے مسئلے پر اس روایت سے بھی دلالت ہوتی ہے جو امام دار قطنی اور امام بیہقی نے روایت کی ہے، وہ یہ کہ:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: المسلم یکفیه اسمه فان نسی أن یسمّی حین یذبح فلیسم ولیذکر اسم اللّٰہ ثم لیأکل۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے لئے اللہ کا نام ہی کافی ہے، پس اگر وہ ذبح

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۷، ۸ سہیل اکیڈمی لاہور۔

(۲) نصب الرایہ للزیلعی، ج ۴ ص ۱۸۲۔

کرتے وقت بسم اللہ بھول جائے تو اس کو چاہئے کہ بسم اللہ پڑھ لے اور اللہ کا نام لے اور پھر اس کو کھائے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "التلخیص الحبیر" میں نقل کرنے کے بعد فرمایا:

وقد صححه ابن السكن۔

یعنی ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ بعض محدثین نے اس روایت کی سند کو "معقل بن عبداللہ اور محمد بن یزید بن سنان کی وجہ سے "معلل" قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ "معقل بن عبداللہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں اور محمد بن یزید بن سنان کو ابن حبان، نخیلی اور مسلمہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔(۱) اور عبد بن حمید نے راشد بن سعد سے مرسلاً یہ روایت نقل کی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:
ذبيحة المسلم حلال سمّى أولم يسمّ مالم يتعمّد
والصيد كذالك۔ (۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، چاہے اس نے بسم اللہ

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن، ج ۱۷، ص ۹۸۔
(۲) الدر المنثور للسیوطی، ج ۳، ص ۴۲۔

پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو جب تک اس نے بسم اللہ نہ
پڑھنے کا قصد نہ کیا ہو اور مسلمان کے شکار کا بھی یہی
حکم ہے۔

یہ تمام مرفوع روایات اس روایت کی تائید کرتی ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی "موقوف" روایت کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ "من نسی فلاباس" (۱)

یعنی جو شخص تسمیہ بھول جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس روایت کو امام دار قطنی اور سعید بن منصور وغیرہ نے "موصولاً" ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ "وسندہ صحیح" (۲)

بہر حال! یہ بے شمار نصوص جو ذبح کے وقت "تسمیہ" کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، ان کے مقابلے میں جو استدلال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے، وہ ثبوت اور دلالت میں ان نصوص کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔

مثلاً بعض شوافع نے قرآن کریم کی اس آیت اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "تذکیہ" کو مطلق رکھا ہے، اس کو "تسمیہ" کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "تسمیہ"

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ ومن ترک متعمداً۔

(۲) صحیح بخاری، ج ۹، ص ۶۲۳۔

واجب نہیں۔ اس استدلال کا جواب واضح ہے، وہ یہ کہ شریعت میں "تذکیہ" کا ایک متعین مفہوم ہے، اور سابق میں ہم نے جو نصوص ذکر کی ہیں، وہ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ "تذکیہ شرعی" تسمیہ کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتا، لہٰذا "تسمیہ" تذکیہ شرعی کے مفہوم کے اندر ہی داخل ہے، جیسا کہ ذبح کے مفہوم میں رگوں کا کاٹنا داخل ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "تذکیہ" کو بطور "مفہوم کلی" کے ذکر فرمایا ہے جو ان تمام شرعی ارکان کو شامل ہے جو دوسری نصوص سے ثابت ہیں، اور ان ارکان میں سے ایک رکن "تسمیہ" بھی ہے، لہٰذا اللہ جل شانہ کے اس قول "إلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" میں "تسمیہ" خود ملحوظ اور داخل ہے۔

اس طرح بعض شوافع نے صحیح بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

ان قوماً قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن قوماً یأتوننا بلحم لا ندری أذکر اسم اللہ علیہ أم لا فقال: سمّوا علیہ انتم وکلوہ قالت: وکانوا حدیثی عهد بالکفر۔ (۱)

یعنی ایک قوم کے لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ذبیحۃ الأعراب، حدیث نمبر ۵۵۰۷۔

ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا انہوں نے ذبح
کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں لیا تھا؟
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا
نام لے کر کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی
ہیں کہ ان کا زمانہ کفر سے قریب تھا۔

لیکن اس حدیث سے اس جانور کی حلت پر استدلال مکمل نہیں ہوتا جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس کو ذبح کرنے والے نے عمداً "تسمیہ" کو چھوڑا ہے، زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان کے فعل کو وجہ صحیح پر محمول کیا جائے گا، لہٰذا اگر کوئی مسلمان گوشت یا کھانا لے کر آئے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ مشروع طریقہ پر ذبح شدہ حلال جانور کا گوشت ہوگا اور اس کو ظاہری حالت پر محمول کیا جائے گا، اور ہمیں ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس لئے ایک مسلمان کے لائے ہوئے گوشت کے بارے میں ذبح کے طریقے پر تحقیق اور تفتیش کرنا واجب نہیں جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اس نے غیر مشروع طریقے پر ذبح کیا ہے۔ اور جس قوم کے گوشت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا وہ مسلمان ہی تھے، اگرچہ ان کا زمانہ کفر سے قریب تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فعل کو ظاہر پر محمول کرنے کا حکم دیا اور ظاہر یہی تھا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے انہوں

نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہوگا۔

اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ اس جانور کو ذبح کرنے والے شخص نے ذبح کرتے وقت عمداً بسم اللہ چھوڑی ہے تب بھی وہ جانور حلال ہوگا، یہ بدیہی بات ہے کہ یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال اس صورت کے بارے میں تھا جب ایک مسلمان کو ذبح کرنے والے کے بارے میں یہ یقین نہیں تھا کہ آیا اس نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں؟ یہی وہ صورت ہے جو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو اس گوشت کے بارے میں پیش آتی ہے جو گوشت مسلمانوں کے بازاروں میں فروخت ہوتا ہے، اس لئے کہ جو لوگ ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، ان کا ذبح کرتے وقت ہم مشاہدہ نہیں کرتے کہ آیا انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں؟ لہٰذا یہ حدیث اس صورت کا حکم ظاہر کرتی ہے، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ ذابح نے قصداً اور عمداً بسم اللہ کو ترک کیا ہے، اس کا اس حدیث سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، لہٰذا اس دوسری صورت کو پہلی صورت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

بعض شوافع نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مراسیل میں "الصلت السدوسی" سے مرسلاً نقل کی ہے کہ:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:
ذبيحة المسلم حلال ذكر اسم الله أو لم يذكر، ان ذكر لم يذكر اسم الله۔ (۱)
یعنی مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، چاہے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔

یہ حدیث "الصلت السدوسی" سے مروی ہے، اور یہ مجہول راوی ہیں، جیسا کہ ابن حزم اور ابن قطان نے فرمایا کہ اس ایک حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث میں یہ معروف نہیں اور ثور بن یزید کے علاوہ کسی اور نے ان سے روایت نہیں کی ہے۔(۲) لہٰذا اس حدیث کی سند ضعف سے خالی نہیں۔ اور اگر یہ حدیث صحیح طریق سے ثابت ہو تو یہ ممکن ہے کہ اس حدیث کو نسیاناً ترک تسمیہ پر محمول کر لیا جائے تاکہ اس روایت کی ان احادیث کثیرہ کے ساتھ تطبیق ہو جائے جو وجوب "تسمیہ" پر دلالت کر رہی ہیں اور جس جانور پر عمداً تسمیہ چھوڑ دیا جائے ان کے حرام ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

بہرحال! مندرجہ بالا دلائل قویہ کی وجہ سے بعض علماء شافعیہ نے اس باب میں جمہور فقہاء کے قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) مراسیل أبی داؤد ص ۴۱۔
(۲) دیکھئے: نصب الرایہ للزیلعی۔

وقوّاه الغزالي في الاحياء محتجًا بأن ظاهر الآية الايجاب مطلقاً وكذلك الأخبار، وأن الأخبار الدالة على الرخصة تحتمل التعميم و تحتمل الاختصاص بالناسي، فكان حمله عليه أولى لتجرى الأدلة كلها على ظاهرها ويعذر الناسي دون العامد(۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں جمہور کے قول کو قوی قرار دیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ آیت کے ظاہر سے مطلقاً ایجاب معلوم ہو رہا ہے اور احادیث سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اور جو احادیث رخصت پر دلالت کر رہی ہیں، ان کے اندر تعمیم کا بھی احتمال ہے اور تخصیص بالناسی کا بھی احتمال ہے، البتہ "ناسی" پر حمل کرنا اولی ہے، تاکہ تمام دلائل اپنے ظاہر پر رہیں، اور اس لئے بھی کہ "ناسی" کو معذور سمجھا جاتا ہے، "عامد" کو معذور نہیں سمجھا جاتا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل

(۱) فتح الباری، ج ۹، ص ۶۲۳۔

کرنے کے بعد اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی اور یہ عبارت حافظؒ نے "باب ذبیحة الاعراب" کے تحت نقل فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس صنیع سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بھی ذبح کے وقت "تسمیہ" کے بطور شرط واجب ہونے کے بارے میں جمہور فقہاء کے قول کو ترجیح دینے کی طرف مائل ہیں، اس لئے کہ حافظؒ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بحث کے بالکل آخر میں ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جس سے "متروک التسمیة" کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔(۱)

ج۔ ذابح کی شرائط

"تذکیہ شرعی" کے حصول کی اہم شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو، اس کے ساتھ ساتھ وہ عاقل بالغ ہو، لہٰذا اہل کتاب کے علاوہ کفار اور مشرکین کا ذبیحہ جائز نہیں۔ اس شرط پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، میرے علم کے مطابق فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف نہیں ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲) اور کفار کے ذبیحہ کے حرام ہونے کا مطلب یہ نکلا کہ جو "کافر" اہل کتاب میں سے نہیں ہے، اگرچہ وہ مسلمان کے ذبح کے طریقے پر ذبح کرے تو بھی اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری، ج ۹، ص ۶۳۴، باب نمبر ۲۱۔

(۲) دیکھئے: سعدی ابو جیب کی کتاب "موسوعۃ الاجماع" ج ۲، ص ۹۴۲، ۹۴۸۔

وقد علمنا أن المشركين وإن سموا على
ذبائحهم لم تؤكل۔ (۱)

ذبح کی شرائط سے معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں تب بھی وہ جانور نہیں کھایا جائے گا۔

بعض معاصر علماء نے اس مسئلہ میں شذوذ اختیار کرتے ہوئے صرف اہل عرب کے بت پرستوں کے ذبیحہ پر حرمت کو منحصر کر دیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے کفار کے ذبیحہ کو مباح قرار دیا ہے، چاہے وہ دوسرے بت پرست ہوں یا دہریے ہوں یا چاہے آتش پرست ہوں۔ بعض معاصرین کا یہ قول غلط ہے، قرآن و حدیث اور اقوال سلف سے اس کی کوئی مناسبت نہیں۔ دراصل ان کو اشتباہ یہاں سے پیش آیا کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ قرآن وحدیث میں صریح نص ایسی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار کا ذبیحہ حرام ہے، اور اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے، لہذا کسی چیز کی حرمت کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے۔ (۲)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حیوانات کے اندر اصل حرمت ہے اور وہ جانور اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا جب تک شریعت اس کے حلال ہونے کا حکم نہ لگا دے، اس کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث

(۱) احکام القرآن للجصاص، ج ۳، ص ۹۔

(۲) فصل الخطاب فی اباحة ذبائح اهل الکتاب، للشیخ عبداللّٰه بن زید آل محمود، ص ۱۹، ۲۰۔

ہے جو ماقبل میں گزری، جس میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ:

قلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! إنی أرسل کلبی أجد معہ کلباً آخر لاأدری أیھما أخذہ، فقال: لاتأکل فإنما سمیت علی کلبک ولم تسم علی غیرہ(۱)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنا کتا شکار کے لئے چھوڑتا ہوں، اب دوسرا کتا بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ شکار کس کتے نے کیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شکار کو مت کھاؤ، اس لئے کہ تم نے صرف اپنے کتے پر ''بسم اللہ'' پڑھی ہے، دوسرے کتے پر نہیں پڑھی۔

یہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جب ''ذکاۃ شرعی'' کے حصول میں شک پیدا ہو جائے اور دونوں احتمال برابر ہوں تو اس جانور کا کھانا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر، حدیث نمبر ۵۴۸۶۔

حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "حیوانات" کے اندر اصل "حرمت" ہے، کیونکہ اگر اصل "اباحت" ہوتی تو شک کی حالت میں وہ حیوان حرام نہ ہوتا۔

دوسری طرف قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد نے صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلت کی تخصیص فرمادی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (۱)

ان لوگوں کا طعام تمہارے لئے حلال ہے جن کو کتاب دی گئی ہے۔

لہٰذا اگر سب کا طعام مسلمانوں کے لئے حلال ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے ذکر کی تخصیص نہ فرماتے۔

بعض معاصرین نے مندرجہ بالا استدلال کو "استدلال بمفہوم اللقب" قرار دے کر رد کیا ہے۔ یہ بھی درست نہیں، بلکہ یہ استدلال مسکوت عنہ چیز میں اصل کی طرف رجوع کرنے کے اصول سے ہے اور "حیوانات" میں اصل حرمت ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا۔

بہرحال! صحیح بات جس پر ہر زمانے میں امت کا اجماع رہا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے "ذبیحہ" اس وقت تک حلال نہیں جب تک اس کو ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب نہ ہو، اور اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ آیت ۵۔

البتہ بعض اقوال شاذہ میں "مجوس" کو اہل کتاب میں سے شمار کیا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سنّوا بهم سُنّة أهل الكتاب۔ (۱)

مجوس کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث "مجوس" سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں ہے، اور "جزیہ" کے بارے میں یہ حدیث پیش کر کے اس سے استدلال کیا گیا تھا، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو "مجوس" سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں تردد تھا تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی، چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ وصول فرمایا: یہ واقعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "موطا" میں اس طرح نقل کیا ہے:

عن محمد بن علي أن عمر بن الخطّاب رضي الله عنه ذكر المجوس فقال: مالك كيف اصنع في امرهم؟ فقال عبد الرحمٰن بن عوف: أشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سنّوا بهم

(۱) المحلی لابن حزم، ج ۷، ص ۴۵۶

سنة اهل الكتاب۔ (۱)

حضرت محمد بن علی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجوس کا ذکر فرمایا اور یہ سوال کیا کہ ان کے بارے میں کیا معاملہ کروں؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو۔

جمہور فقہاء نے اس بات پر کہ ''اہل کتاب'' کا لقب صرف ''یہود و نصاریٰ'' میں منحصر ہے، اس آیت سے استدلال کیا ہے:

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ○ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مجوس'' کو اہل کتاب میں سے شمار نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ جزیہ وصول کرنے میں ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا

---

(۱) موطا امام مالک، کتاب الزکاۃ، باب جزیۃ اہل الکتاب۔

(۲) سورۃ الانعام آیت ۱۵۶۔

کہ مجوس اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، البتہ ان کا جزیہ قبول کرنے کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ (جس طرح اہل کتاب سے جزیہ وصول کرسکتے ہیں، اسی طرح مجوس سے بھی جزیہ وصول کرسکتے ہیں)

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا مسئلہ

اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور یہ اہل تذکیہ میں سے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (۱)

یعنی جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔ اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں "طعام" سے مراد "ذبیحہ جانور" ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ۔

قال ابن عباس وأبو أمامة و مجاهد و سعيد بن جبير و عكرمة و عطاء والحسن ومكحول و ابراهيم النخعي و السدي و

(۱) سورۃ المائدۃ، آیت ۵۔

مقاتل بن حیان: یعنی ذبائحهم، وهذا أمر مجمع علیه بین العلماء أن ذبائحهم حلال للمسلمین، لأنهم یعتقدون تحریم الذبح لغیر اللّٰه ولا یذکرون علی ذبائحهم الا اسم اللّٰه وان اعتقدوا فیه تعالیٰ ماهو منزه عنه تعالیٰ و تقدس۔ (۱)

اس آیت "وَطَعَامُ الَّذِیْنَ الخ" کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو امامہؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ، حضرت عطاء، حضرت حسن، حضرت مکحول، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت سدّی، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہنا یہ ہے کہ "طعام" سے مراد اہل کتاب کے ذبح کردہ جانور ہیں، اور یہ بات علماء کے درمیان متفق علیہ ہے کہ ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے اور وہ لوگ اپنے ذبیحہ پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیتے، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ

(۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۹، طبع لاہور ۱۳۹۳ھ

کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جس سے اللہ
تعالیٰ پاک اور منزہ ہیں (یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں
کہ معاذ اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے
ہیں)۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب کے ذبیحہ میں بھی ان تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو شرائط مسلمان کے ذبیحہ میں پائی جانی ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ ذبح کے وقت جانور کی رگیں کاٹنا اور آلہ ذبح کا تیز ہونا اور ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا؟ چونکہ بعض معاصرین کا دعویٰ یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے، چاہے وہ کسی بھی طریقے سے ذبح کریں۔ اس لئے اس مسئلہ میں بہت غور اور تحقیق کی ضرورت ہے، چنانچہ ہم اس مسئلے پر دو پہلو سے بحث کریں گے، ایک یہ کہ کیا اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جانور کو مشروع طریقے پر ذبح کریں؟ مثلاً یہ کہ تیز دھار دار آلے سے اس کی رگیں کاٹیں؟ دوسرے یہ کہ کیا ذبح کے وقت ان کے لئے "بسم اللہ" پڑھنا ضروری ہے؟

اہل کتاب کیلئے مشروع طریقے پر جانور ذبح کرنا

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے، جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ "کتابی" کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب جانور کو ذبح کرتے وقت تیز دھار دار آلے سے وہ تمام رگیں کاٹیں جن کا کاٹنا ضروری ہے۔ یہی بات حق ہے اور ان

دلائل سے ثابت ہے جن کا انشاء اللہ ہم آگے ذکر کریں گے۔ لیکن اس کے مقابلے میں بعض معاصرین کا کہنا یہ ہے کہ "کتابی" کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے، چاہے اس نے جانور کو کسی بھی طرح سے قتل کیا ہو، کیونکہ کتابی کا ذبیحہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے (وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ) اور یہ حضرات قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا:

ولقد سئلت عن النصراني يفتل عنق الدجاجة ثم يطبخها: هل يؤكل معه أو تؤخذ طعاماً منه؟ وهي المسئلة الثامنة، فقلت: تؤكل لأنها طعامه و طعام أحباره و رهبانه، وان لم تكن هذه ذكاة عندنا، ولكن الله تعالى أباح طعامهم مطلقاً، وكل مايرونه في دينهم فإنه حلال لنا في ديننا الا ما كذبهم الله سبحانه فيه (۱)

قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ مرغی کی گردن مروڑ کر اس کو مار دیتا ہے، پھر اس کو پکاتا ہے، تو کیا اس کے

(۱) احکام القرآن، لابن عربی، ج ۲، ص ۵۵۱، مطبوعہ عیسی البابی الحلبی۔

ساتھ کھایا جا سکتا ہے؟ یا اس نصرانی سے کھانا قبول کیا جا سکتا ہے؟ یہ آٹھواں مسئلہ ہے۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ ہاں، اس کو کھایا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ مرغی اس کا کھانا اور اس کے علماء کا کھانا ہے، اگرچہ یہ طریقہ ہمارے نزدیک ذکاۃ شرعی نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا "طعام" ہمارے لئے مطلقاً مباح فرمایا ہے، لہٰذا جس چیز کو وہ اپنے دین کے مطابق حلال سمجھیں، وہ چیز ہمارے لئے ہمارے دین میں بھی حلال ہوگی، سوائے ان چیزوں کے جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی ہے۔

لیکن امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ بالا عجیب قول اس اصل کے بالکل متعارض ہے جو اصل انہوں نے اپنی اسی کتاب میں مندرجہ بالا قول سے صرف ایک صفحہ پہلے ذکر فرمائی ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے:

فإن قيل: فما أكلوه - أي أهل الكتاب - على غير وجه الذكاة كالخنق وحطم الرأس؟ فالجواب: أن هذه ميتة وهي حرام بالنص وإن أكلوها فلا نأكل نحن كالخنزير فهو حلال لهم ومن طعامهم وهو حرام علينا فهذا مثله والله أعلم۔ (۱)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اہل کتاب جو جانور غیر ذکاۃ شرعی طریقے پر ذبح

---

(۱) حوالہ بالا ص ۲۵۵۔

کر کے کھاتے ہیں، مثلاً اس جانور کا گلا گھونٹ کر ماردیا یا سر چکل کر ماردیا، ایسے جانور کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے نزدیک مردار ہے اور نص کے ذریعہ حرام ہے۔ اگر وہ اس جانور کو کھاتے ہیں تو ہم نہیں کھائیں گے، جیسے خنزیر ان کے لئے حلال ہے اور ان کے طعام میں داخل ہے، لیکن ہمارے لئے حرام ہے۔ اس قسم کے ذبح کئے ہوئے جانور کا بھی یہی حکم ہے۔

لہذا علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا دو عبارتوں میں صریح تعارض واقع ہو رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب دو عبارتوں میں تعارض واقع ہو جائے تو اس عبارت کو قبول کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے جو ثابت بالنص ہو اور امت کے تعامل سے اس کو تائید حاصل ہو۔ لہذا وہ فتویٰ شاذہ قبول نہیں کیا جائے گا جو مندرجہ ذیل دلائل قویہ کے مخالف ہے:

پہلی دلیل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ
وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ
السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔(۱)

(۱) سورۃ المائدۃ آیت ۳

اس آیت میں "منخنقة" اور "موقوذة" کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے، لہذا اس آیت کے تحت ہر وہ جانور داخل ہے جس کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو اور جس کو کچل کر مارا گیا ہو۔ لہذا جو لوگ قرآن کریم کی اس آیت:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا "منخنوقة" اور "موقوذة" جانور حلال ہے، ان کو چاہئے کہ وہ اہل کتاب کے ذبح کئے گئے خنزیر کو بھی حلال کہیں، کیونکہ خنزیر بھی اہل کتاب کے طعام میں داخل ہے، لہذا اگر مذکورہ آیت سے خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے پر استدلال کیا جائے گا تو اسی آیت سے ہی "منخنقة" اور "موقوذة" کی حرمت پر استدلال کیا جائے گا اور دونوں میں کسی تفریق کی گنجائش نہیں۔ اور اگر مذکورہ آیت خنزیر کے گوشت کی "طعام اہل کتاب" سے تخصیص کر رہی ہے، تو یہی آیت "منخنقة" اور "موقوذة" کی بطریق اولی تخصیص کرے گی، اس لئے کہ خنزیر ان کے دین میں حلال ہے اور "منخنقة" اور "موقوذة" ان کے بھی اصل مذہب میں حرام ہے، جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب اسکا بیان آئے گا، لہذا اگر وہ طعام جو ان کے مذہب میں حلال ہے جیسے خنزیر، یہ "طعام اہل کتاب" سے مستثنیٰ ہے جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، تو وہ طعام جو ان کے اصل مذہب میں بھی حرام ہیں، جیسے "منخنقة" اور "موقوذة" یہ تو بطریق اولی "طعام اہل کتاب" سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دوسری دلیل

۲۔ اصول فقہ اور فن لغت میں یہ بات موجود ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر حکم وارد ہوتا ہے تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم نے یہ کہا کہ "اکرموا العلماء" علماء کا اکرام کرو۔ اس میں اکرام کا حکم "علماء" پر وارد ہے جو اسم مشتق ہے، اور اس کا مادہ اشتقاق "علم" ہے، لہٰذا یہ "علم" اکرام کی علت ہے۔ یہ اصول بالکل واضح اور مسلّم ہے۔ لہٰذا سورۃ مائدہ کی آیت میں حرمت کا حکم "منخنقة" اور "موقوذة" پر وارد ہوا ہے، تو حرمت کے حکم کی علت "خنق" اور "وقذ" ہوگی، لہٰذا جہاں کہیں "خنق" اور "وقذ" پایا جائے گا، وہاں پر حرمت کا حکم بھی آئے گا اور اس میں خانق اور واقذ کی دیانت کا حرمت اور حلت پر کوئی اثر نہیں ہوگا، لہٰذا "خنق" اور "وقذ" کے نتیجے میں جانور حرام ہو جائے گا، چاہے ایسا کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ

سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبح کے معاملے میں اہل کتاب مسلمانوں کے برابر ہیں، اس معاملے میں دونوں کے درمیان کوئی

فرق نہیں۔ لیکن اس آیت سے اہل کتاب کی مسلمانوں پر فوقیت اور مزیت ثابت نہیں ہوتی حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کا جو ذبیحہ حرام ہے وہ اہل کتاب کا حلال ہے۔ اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قبول کرنے کے نتیجے میں اہل کتاب کو مسلمانوں پر اس بارے میں فوقیت حاصل ہو جائے گی کہ اہل کتاب جانور کو جس طریقے بھی ذبح کریں وہ حلال ہے اور اگر مسلمان جانور کو اسی طریقے پر ذبح کریں تو وہ جانور حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بداہۃً باطل ہے۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل یہ ہے کہ امت اسلامیہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "ان الکفار کلھم ملۃ واحدۃ" تمام کفار ایک ملت ہیں۔ اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اہل کتاب کا حکم بھی دوسرے کفار کی طرح ہونا چاہئے لہذا جس طرح دوسرے کفار کا ذبیحہ حرام ہے اسی طرح ان کا ذبیحہ بھی حرام ہونا چاہئے۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے ذبح اور نکاح ان دو معاملات میں اہل کتاب کو دوسرے تمام کفار سے ممتاز کر دیا ہے، اس لئے کہ ذبح اور نکاح کے احکام ان کے نزدیک بالکل اسلامی احکام سے مماثل ہیں، چنانچہ ذبح کے اندر وہ لوگ ان تمام شرائط کا لحاظ رکھتے ہیں جو اسلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہیں اور ذبح کے یہ احکام اب تک ان کی مقدس کتابوں میں موجود ہیں، باوجودیکہ ان کے اندر بہت سی تحریفات ہو چکی ہیں۔ ان کی مقدس کتابوں کی بعض عبارتیں

مندرجہ ذیل ہیں:

کتاب "اللاویین" میں جس کو "کتاب الاحبار" بھی کہا جاتا ہے۔ آیا ہے:

وأما شحم الميتة و شحم المفترسة
فيستعمل لكل عمل لكن أكلاً لا تاكلوه (۱)

مردار کی چربی اور پھاڑنے والے جانور کی چربی ہر کام میں استعمال کی جاسکتی ہے، لیکن جہاں تک اس کے کھانے کا تعلق ہے تو اس کو مت کھاؤ۔

کتاب "الاستثناء" کے اندر یہ عبارت درج ہے:

وأما ذبائحك فيسفك دمها على مذبح
الرب إلهك واللحم تاكله۔ احفظ واسمع
جميع هذه الكلمات التي أنا أوصيك
بها لكي يكون لك و لا ولادك من
بعدك خير إلى الأبد إذا عملت الصالح
والحق في عيني الرب إلهك۔ (۲)

جہاں تک تمہارے ذبائح کا معاملہ ہے تو ان کا خون

---

(۱) لاوئین، ج ۷، ص ۲۴۔
(۲) الاستثناء، ج ۱۲، ص ۲۷، ۲۸۔

اپنے رب کے نام پر بہا جو تیرا معبود ہے اور اس کا
گوشت کھاؤ اس کو یاد کرلو اور یہ تمام کلمات جن کی
میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں ان کو سن لو، تاکہ
تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے ہمیشہ کے
لئے خیر ہو جائے۔

مندرجہ بالا دونوں کتابوں کو یہود اور نصاریٰ ہر ایک مانتے ہیں۔
جہاں تک صرف نصاریٰ کی کتابوں کا تعلق ہے تو "اعمال الرسل" جو "لوقا" کی طرف منسوب ہے، اس میں یہ عبارت درج ہے:

وتحن أن لا نضع عليكم ثقلاً أكثر غير
هذه الأشياء الواجبة أن تمتنعوا عما ذبح
للأصنام وعن الدم و المخنوق والزنا۔ (۱)

اور ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ پر ان چند اشیاء واجبہ
کے علاوہ زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے، وہ یہ کہ تم اس
جانور کے کھانے سے باز رہو جو بتوں کے نام پر ذبح
کیا گیا ہے اور خون سے اور اس جانور کو کھانے سے
جسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو اور زنا سے۔

اس کتاب میں دوسری جگہ یہ عبارت موجود ہے:

(۱) اعمال، ج ۱۵، ص ۲۸۔

وأمّا من جهة الّذين آمنوا من الأمم

فارسلنا نحن إليهم و حكمنا أن لا يحفظوا

شيئًا مثل ذلك سوى أن يحافظوا على

أنفسهم مماذبح للأصنام ومن الدم ومن

المخنوق والزنا۔ (۱)

ان لوگوں کے لئے جو اُمتوں میں سے ایمان لے

آئے، پس ہم نے ان کی طرف یہ حکم بھیجا کہ ان

جیسی کسی چیز سے بچنے کی ضرورت نہیں، سوائے اس

کے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اس جانور کو کھانے سے

بچائیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور خون

سے اور گلا گھونٹے ہوئے جانور سے اور زنا سے۔

"پولوس" جو نصاریٰ کے گمان کے مطابق رسول اور ان کے مقتدا اور

پیشوا ہیں، وہ اپنے پہلے رسالے میں "اہل کورنتھوس" کی طرف لکھتے ہیں:

بل إن مايذبحه الأمم فإنما يذبحونه

للشياطين لا لله فلست أريد أن تكونوا انتم

شركاء الشياطين لاتقدرون أن تشربوا

كأس الرب وكأس الشياطين ولا تقدرون

---

(۱) اعمال، ب: ۱۵، ص: ۲۹

ان تشترکوا فی مائدة الرب وفی مائدة الشیاطین۔ (۱)

بلکہ جو قومیں جانور ذبح کرتی ہیں، وہ شیطان کے نام پر ذبح کرتی ہیں، اللہ کے لئے ذبح نہیں کرتیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم شیطان کے شرکاء بن جاؤ، تم اس بات پر قادر نہیں ہو کہ رب کے پیالے سے بھی پیو اور شیطان کے پیالے سے بھی پیو، اور تم اس پر قادر نہیں ہو کہ رب کے دستر خوان اور شیطان کے دستر خوان دونوں کو ایک ساتھ جمع کر لو۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ "پولوس" وہ شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصوص کے برخلاف یہ حکم دیا کہ نصاریٰ کے حق میں توراۃ کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس نے ذبح سے متعلق احکام کو برقرار رکھا، چنانچہ اس نے "مخنوق" جانور کو حرام قرار دیا اور اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو واجب قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے احکام نصاریٰ کے اصل مذہب میں اسی طرح باقی تھے جس طرح یہودیوں کے نزدیک تھے، یہودیوں کی کتابیں ذبح سے متعلق تفصیلی احکام سے بھری ہوئی ہیں، چنانچہ "مشنا" جو یہودیوں کے نزدیک احکام شرعیہ کا بنیادی ماخذ ہے،

(۱) کورنتھیوں، باب ۱۰، آیات ۲۰ و ۲۱۔

اس میں یہ بات درج ہے:

If he slauhiered with a hand-sickle or with a blint or with a read what he slaughter is valid. All any slaughers and at any time and with any implement excepting a reaping sickle or a saw or teeth or the binger nails, since these choke.(1)

یعنی اگر کوئی شخص ہاتھ کی چھری سے، یا تیز شیشے سے، یا بانس کے چھلکے سے ذبح کرے تو وہ جانور حلال ہے، ہر شخص جس وقت چاہے جس چیز سے چاہے ذبح کرسکتا ہے، البتہ درانتی سے آری سے، دانت سے اور انگلیوں کے ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں، جب کہ وہ دانت اور ناخن جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں، اس لئے کہ یہ "خنق" میں داخل ہے۔

ڈاکٹر ہربرٹ ڈینبی "مشنا" کی مندرجہ بالا نص کے تحت لکھتے ہیں کہ ذبح کے جن احکام کا یہودی اعتبار کرتے ہیں یہ اس شریعت کا ایک حصہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دی گئی تھی، جس کا خلاصہ پانچ باتیں ہیں:

(1) the Mishnah hullin 1.p 513 oxford, 1987.

۱۔ جانور کے گلے پر چھری چلانے کے دوران کوئی وقفہ نہ ہونا واجب ہے۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ چھری کو آگے پیچھے مسلسل چلایا جائے۔

۲۔ ذبح کرتے وقت جانور پر کسی بھاری چیز کا وزن نہ ڈالنا واجب ہے۔

۳۔ ذبح کرتے وقت جانور کی کھال پر یا اس کے گلے پر یا اس کی رگوں پر چھری کا دباؤ بھی نہ ڈالنا واجب ہے۔

۴۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری حلق کی اس جگہ سے تجاوز نہ کرے جس جگہ سے اس کو کاٹا جا رہا ہے۔

۵۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کا عمل نرخرہ کو یا رگوں کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کوئی اثر نہ کرے۔(۱)

بہرحال! مندرجہ بالا نصوص ان کتابوں کی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ مقدس مانتے ہیں اور جو ان کے دین اور شریعت کا بنیادی مأخذ ہیں۔ یہ نصوص مندرجہ ذیل امور پر دلالت کرتی ہیں:

اولاً: "منخنقہ" اور "موقوذہ" ان کی شریعت میں بھی حرام ہے جیسے ہماری شریعت میں حرام ہے۔

ثانیاً: ظاہر یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کرنا واجب ہے۔ یا دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا واجب ہے، جیسا کہ "بولس" کے اس رسالے سے ظاہر ہو رہا ہے جو

---

(۱) حوالہ بالا۔

انہوں نے ''اہل کورنتھوس'' کے نام لکھا تھا جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا۔

ثالثاً: قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرغی کے حلال ہونے کا جو فتویٰ دیا جس کو نصرانی نے گردن موڑ کر مار دیا ہو، جیسا کہ ''احکام القرآن'' کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اگر اس فتویٰ کی ان کی طرف نسبت صحیح ہے تو ان کا یہ فتویٰ ان کی دوسری عبارت سے متعارض ہے جو اسی کتاب ''احکام القرآن'' میں موجود ہے اور ان کا یہ فتویٰ ان کے اس گمان کی بنیاد پر ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک ''مخنوقۃ'' جانور حلال ہے، اور اس مسئلہ میں انہوں نے یہ علت بیان فرمائی کہ جو چیز ان کے نزدیک ان کے مذہب میں حلال ہے، وہ ہمارے مذہب میں بھی حلال ہوگی۔ لیکن خود نصرانیوں کی کتابوں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا یہ گمان غلط تھا، اس لئے کہ ان کی مقدس کتابیں اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ ''مخنوق'' جانور ان کے نزدیک حرام ہے، جیسا کہ ''اعمال الرسل'' کی عبارت ہم نے پیچھے ذکر کی۔ لہٰذا اگر شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ علم ہوتا کہ ''مخنوق'' جانور نصرانی کے مذہب میں حرام ہے تو وہ ایسا فتویٰ نہ دیتے۔

رابعاً: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے یہود و نصاریٰ کے نصوص سے اس کی صحت ظاہر ہوگئی، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

وهذا أمر مجمع عليه بين العلماء أن

ذبائحهم حلال للمسلمين لأنهم يعتقدون تحريم الذبح لغير الله ولا يذكرون على ذبائحهم الا اسم الله وان اعتقدوا فيه تعالىٰ ماهو منزه عنه ۔(۱)

یہ بات علماء کے درمیان متفق ہے کہ ان (یہود و نصاریٰ) کے ذبح کردہ جانور مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ غیر اللہ کے نام ذبح کرنے کو حرام سمجھتے ہیں اور اپنے ذبائح پر اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیتے ۔ اگر چہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا عقیدہ (تثلیث وغیرہ کا عقیدہ) رکھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے۔

پانچویں دلیل

نصرانی کے مخنوقہ اور موقوذہ کو حلال قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ خانق اور واقذ اگر مسلمان ہو تو حیوان حرام ہے اور اگر خانق نصرانی ہو تو حیوان اگرچہ نصرانی کے دین میں حرام ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ''اس کا مخنوقہ حیوان مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔''

(۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۹

گویا کہ "خالق" کا کافر ہونا اسکی امتیازی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس کا وہ عمل جائز قرار دیدیا گیا جو اس کی اور ہماری شریعت میں بالا جماع حرام ہے، اور یہ سارے بالکل بدیہی باطل نتائج ہمارے اس قول سے پیدا ہوئے کہ ہم نے کہا "جس جانور کو اہل کتاب قتل کردے وہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، چاہے وہ اسے غیر مشروع طریقہ ہی سے کیوں نہ قتل کرے" اور ظاہر ہے جس قول سے ایسے باطل نتائج پیدا ہوں گے وہ بھی باطل ہوگا۔

چھٹی دلیل

چھٹی دلیل یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو دوسرے کفار کے مقابلے میں جو خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے وہ دو چیزوں کی وجہ سے ہے، ایک یہ کہ ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، دوسرے یہ کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ مسلمان کے لئے اہل کتاب کی کسی عورت سے نکاح کرنا اس وقت حلال ہے جب اس نکاح میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جو ہماری شریعت میں واجب ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی اہل کتاب خاتون سے غیر مشروع طریقے پر نکاح کرلے، مثلاً یہ کہ وہ خاتون اس کی محرمات میں ہو یا گواہوں کے بغیر نکاح کرے یا مشروع ایجاب وقبول کے بغیر نکاح کرلے، تو کوئی شخص بھی اس نکاح کو حلال نہیں کہتا۔ اس سے پتہ چلا کہ اہل کتاب خاتون سے نکاح کا

حلال ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ نکاح شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو۔ اور اگر وہ نکاح شریعت کے خلاف ہو تو اس کو درست کرنے کے لئے قرآن کریم کی اس آیت:

وَنِسَاؤُهُمْ حِلٌّ لَّكُمْ۔ (۱)

سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ (اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب اہل کتاب عورت ہمارے لئے حلال ہے تو اب ہر طرح سے حلال ہے، چاہے مشروع طریقے پر حاصل ہو یا غیر مشروع طریقے پر حاصل کی گئی ہو)

لہذا جب نکاح کے اندر یہ اصول ہے تو ''ذبح'' کے اندر بھی یہی اصول نافذ ہوگا کہ انکا ذبیحہ ہمارے لئے اس وقت حلال ہوگا جب وہ مشروع طریقے پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور اگر وہ اس غیر مشروع طریقے پر ذبح کیا گیا ہوگا، مثلاً خنق یا وقذ کے ذریعہ تو اس کو اس آیت:

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ۔

سے استدلال کرکے حلال کرنا کیسے صحیح ہوگا، جبکہ ''نکاح'' اور ''ذبح'' ایک ہی طرح کے دو حکم ہیں۔

ساتویں دلیل

ساتویں دلیل یہ ہے کہ ''میتہ'' ''منخنقہ'' اور ''موقوذہ'' کی حرمت

(۱) سورۃ نساء

چونکہ مطلق نص قطعی سے ثابت ہے اس لئے فقہاء امت کا ان کی حرمت پر اجماع ہے، اگرچہ خانق اور واقذ اہل کتاب میں سے کیوں نہ ہوں اور ہمارے علم کے مطابق قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی نے بھی منخنقہ اور موقوذہ جانور کو حلال نہیں کہا ہے، اور قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف مذکورہ عبارت میں حلال کہا ہے، اور ان کی یہ عبارت ان کی دوسری عبارت سے بالکل متضاد ہے جو اسی کتاب میں اس عبارت سے صرف ایک صفحہ پہلے درج ہے۔ کیا قرآن و حدیث کی ان نصوص کو اور ان دلائل قویہ کو جو ہم نے اوپر بیان کئے صرف علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاذ فتویٰ کی بنیاد پر چھوڑ دیا جائے گا جبکہ وہ فتویٰ متناقض بھی ہے اور اس زعم پر مبنی ہے کہ "منخنقہ" جانور نصاریٰ کے مذہب میں حلال ہے؟ جبکہ نصاریٰ کی مقدس کتابوں کی عبارات سے اس زعم کا خطا ہونا بھی ظاہر ہو گیا ہے۔

اور اگر ہم علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں عبارتوں کے تضاد سے قطع نظر بھی کرلیں اور اس بات کو تسلیم کرلیں کہ ان کا صحیح مذہب یہی ہے، تب بھی ان کا یہ مذہب شاذ ہے جس کو قرآن و حدیث کے ان نصوص اور دلائل قویہ نے رد کر دیا ہے جن سے جمہور علماء امت نے استدلال فرمایا ہے۔ لہٰذا اس نازک معاملے میں ان کا قول لینا کسی طرح بھی مناسب نہیں، جبکہ یہ معاملہ حلت اور حرمت کا ہے اور حلت اور حرمت میں اختلاف کی صورت میں جانب حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور یہاں پر تو نصوص قطعیہ اور اہل علم کے

اتفاق کی طرف نظر کرتے ہوئے جانب حرمت ہی متعین ہے۔

بہرحال! حق بات یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ حیوان کو مشروع طریقے پر ذبح کرتے ہوئے اس کی رگیں کاٹ کر اس کا خون نہ بہائیں۔ اور اگر اہل کتاب کسی جانور کو "خنق یا وقذ" کے ذریعے یا کسی اور غیر مشروع طریقے سے قتل کر دیں تو وہ جانور حرام ہوگا۔

کیا کتابی کے ذبیحہ میں "تسمیہ" شرط ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے؟ اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول

﴿۱﴾ پہلا قول یہ ہے کہ مسلمان اور کتابی دونوں کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے تسمیہ شرط ہے اور اس بارے میں مسلمان اور کتابی کے درمیان کوئی فرق نہیں، یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فالتسمية مشترطة في كل ذابح مع العمد سواء كان مسلماً اوكتابياً فان ترك الكتابي التسمية عن عمد أو ذكر اسم غير

الله لم تحل ذبيحته، وروی ذلك عن علیؓ وبه قال النخعي والشافعي(۱) و حمّاد واسحاق و اصحاب الرأی (۲)

ہر ذابح پر عمداً تسمیہ پڑھنا شرط ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا کتابی ہو، اگر کتابی نے قصداً تسمیہ چھوڑ دیا اور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لے لیا تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی بات منقول ہے اور امام نخعیؒ، امام شافعیؒ، امام حماد، امام اسحاق اور اصحاب الرائی کا یہی مسلک ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع میں فرماتے ہیں:

ثم انما تو كل ذبيحة الكتابی إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شئی أوسمع وشهد

(۱) ابن قدامہؒ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ذکر کیا ہے، لیکن ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جب مسلمان کے لئے "تسمیہ" پڑھنا واجب نہیں ہے تو اہل کتاب کے لئے "تسمیہ" کیسے واجب ہوگا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص استخفافاً تسمیہ چھوڑ دے تو ان کے نزدیک بھی وہ جانور حلال نہیں ہوگا، اور ظاہر یہ ہے کہ کافر استخفاف ہی "تسمیہ" کو ترک کرتا ہے، اس اعتبار سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیگر اہل کتاب "تسمیہ" چھوڑ دے تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲) المغنی لابن قدامہ، ج ۱۱ ص ۵۶۔

منه تسمية الله تعالىٰ وحده، لأنه إذا لم يسمع منه شئ يحمل على أنه قد سمّى الله تبارك و تعالىٰ و جرّد التسمية تحسينا للظن به كما بالمسلم(۱)

ولو سمع منه ذكر اسم الله لكنه عنى بالله عزّوجلّ المسيح عليه الصلاة والسلام قالوا: تؤكل، لأنه أظهر تسمية هي تسمية المسلمين إلا اذا نصّ فقال: بسم الله الذى هو ثالث ثلاثة، فلاتحل۔ وقد روى عن سيدنا على رضى الله عنه أنه سئل عن ذبائح اهل الكتاب و هم يقولون مايقولون۔ فقال رضى الله عنه: قد أحل الله ذبائحهم وهو يعلم مايقولون، فامّا اذا سمع منه أنه سمى المسيح عليه الصلاة والسلام وحده اوسمّى الله سبحانه و تعالى وسمّى

(۱) یعنی اس صورت میں ہے جب اہل کتاب کے بارے میں معروف و مشہور ہو کہ وہ عموماً ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ لیکن اگر معروف یہ ہو کہ وہ "تسمیہ" کو ترک کرتے ہیں تو اس صورت میں ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

المسیح لا تؤکل ذبیحۃ- کذا روی عن سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ ولم یرو عنہ غیرہ خلافہ۔ (۱)

اگر کتابی کے جانور ذبح کرتے وقت کوئی موجود نہ ہو، اور نہ ذبح کرتے وقت اس سے کچھ الفاظ سنے گئے ہوں، یا ذبح کے وقت کوئی موجود ہو اور اس نے ذبح کے وقت کتابی سے صرف "تسمیہ" کے الفاظ سنے ہوں، تو ان تمام صورتوں میں اس کا ذبح کردہ جانور کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ جس صورت میں اس سے "تسمیہ" کے الفاظ کسی نے نہ سنے ہوں تو جیسے مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھا جاتا ہے، اسی طرح اس کے ساتھ بھی حسن ظن کا معاملہ کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس نے ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لیا ہوگا۔ اور اگر کتابی سے ذبح کے وقت اللہ کا نام تو سنا گیا لیکن اس نے اللہ سے (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لئے، تو اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ جانور کھایا جائے گا، اس لئے کہ اس نے ذبح کے وقت ظاہراً وہی "تسمیہ" کہا جو مسلمانوں کا

(۱) بدائع الصنائع، ج ۵ ص ۴۶

تسمیہ ہے۔ البتہ اگر وہ کتابی صراحت کرتے ہوئے
یوں کہے کہ "بسم اللّٰہ الذی ھو ثالث ثلاثۃ" میں
اس کے نام پر ذبح کرتا ہوں جو تین میں کا تیسرا ہے تو
اس صورت میں اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ ایک
روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے اہل کتاب کے ذبائح کے بارے میں سوال
کیا گیا جبکہ وہ ایسی ایسی باتیں بھی کہتے ہیں، جواب
میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے
ان کا ذبیحہ حلال فرمایا ہے جبکہ اللہ تعالٰی جانتے ہیں جو
کچھ وہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی اہل کتاب کے بارے
میں یہ سنا جائے کہ وہ ذبح کے وقت صرف حضرت
عیسٰی علیہ السلام کا نام لیتا ہے یا اللہ تعالٰی کا نام بھی لیتا
ہے اور اس کے ساتھ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام بھی
لیتا ہے تو اس صورت میں تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا
جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی
ہے اور اس کے خلاف کوئی بات مروی نہیں۔

۲۔ دوسرا قول

فقہاء کا دوسرا قول یہ ہے کہ کتابی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے

ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا واجب نہیں، لہٰذا اگر کتابی ذبح کے وقت "تسمیہ" سے سکوت کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ البتہ اگر وہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے، مثلاً وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، یہی قول مالکیہ کا ہے، چنانچہ "شرح الصغیر" للدردیر میں ہے:

وجب عند التذكية ذكراسم الله بأى صيغة من تسمية أوتهليل اوتسبيح اوتكبير لكن لمسلم لاكتابى فلا يجب عند ذبحه ذكر الله بل الشرط ان لايذكراسم غيره ممّا يعتقد ألوهيته۔ (۱)

تذکیہ یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا واجب ہے، چاہے وہ کوئی بھی صیغہ ہو تسمیہ کا ہو، یا تہلیل کا ہو، یا تسبیح ہو، یا تکبیر ہو، لیکن یہ وجوب مسلمان کے لئے ہے، کتابی کے لئے نہیں، لہٰذا کتابی کے لئے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا واجب نہیں، بلکہ ان کے لئے شرط یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ وہ جن دوسرے معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں ذبح کے وقت ان کا نام نہ لیں۔

(۱) الشرح الصغیر للدردیر مع الصاوی، ج ۲ ص ۱۷۰۔ ۱۷۱

تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ کتابی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے "تسمیہ" پڑھنا واجب نہیں، اور اگر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیں تب بھی ان کا ذبیحہ حلال ہے۔ یہ قول حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت مکحول رحمہ اللہ علیہم سے مروی ہے۔ جیسا کہ ابن قدامہ نے یہ قول بیان فرمایا ہے۔(۱)

بہرحال! اگر ہم نصوص میں غور کریں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ مندرجہ بالا تین اقوال میں پہلا قول راجح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔

اس آیت میں "لَمْ يُذْكَرْ" مجہول کا صیغہ ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ "تسمیہ" کو چھوڑنا حیوان کو حرام کر دیتا ہے، چاہے ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو۔ اسی طرح اشیاء محرمہ کے بیان کے تحت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔

اس آیت میں بھی "اُهِلَّ" مجہول کا صیغہ ہے جو مسلمان اور کتابی دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ" یہ

---

(۱) المغنی لابن قدامۃ، ج ۱۱، ص ۵۶

آیت بھی صیغہ مجہول پر مشتمل ہے۔

اور ہم پیچھے بیان کر چکے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک حیوانات کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح کرتے تھے، اور "بولوس" نے نصاریٰ پر دوسری قوموں کے ذبح کردہ جانوروں کو حرام قرار دیدیا تھا، اس لئے کہ دوسری قومیں اللہ کے نام کے بجائے شیطان کے نام پر ذبح کرتی تھیں، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کردہ اس اقتباس میں گزری ہے جو "بولوس" کے اس پہلے رسالے سے لیا گیا تھا جو اس نے اہل "کورنتھوس" کے نام لکھا تھا۔ اسی وجہ سے اہل کتاب کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا گیا تھا، جیسا کہ ماقبل میں حافظ ابن کثیرؒ کے حوالے سے تفصیل گزری۔ لہٰذا اگر اہل کتاب "تسمیہ" چھوڑ دیں یا ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لیں، تو چونکہ اس صورت میں وہ علت جس کے نتیجے میں ان کا ذبیحہ حلال ہوا تھا، مفقود ہوگئی تو حرمت واپس لوٹ آئی۔

ہم نے ماقبل میں کتابی کے ہاتھ کا "مخنوقہ" اور "موقوذہ" جانور کی حرمت پر جو دلائل بیان کئے ہیں، ان میں سے اکثر دلائل ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کے موضوع پر بھی منطبق ہوتے ہیں۔ البتہ "تسمیہ" چھوڑنے کا معاملہ "خنق" اور "وقذ" کے مقابلے میں اس اعتبار سے اہون اور اخف ہے کہ اہل کتاب کے متروک التسمیہ جانور کی حلت اور حرمت کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل پیچھے گزری۔ لیکن "خنق" اور "وقذ" کا مسئلہ ائمہ مذہب کے درمیان محل اختلاف بھی نہیں ہے۔ جہاں تک قاضی ابن عربیؒ

کی متعارض عبارت کا تعلق ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کی وجہ سے اس مسئلہ کو مختلف فیہ قرار دیا جا سکے۔

بہر حال! صحیح، راجح اور نصوص ظاہرہ سے مؤید بات یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اس وقت حلال ہے جب وہ ذبح کی ان تمام شروط کی رعایت کریں جو قرآن و حدیث کے اندر بیان کی گئی ہیں، اور جس وقت ان کے ذبیحہ کھانے کی اجازت کا حکم نازل ہوا تھا اس وقت وہ تمام شرائط معلوم اور مقرر تھیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ان دہریہ پرست اور دہریہ کے ذبیحہ کا حکم جو اپنے آپ کو "نصاریٰ" کہتے ہیں

پھر اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ذبح کرنے والا یہود و نصاریٰ کے دین پر قائم ہو اور اس دین کے بنیادی عقائد کا عقیدہ رکھنے والا ہو، اگرچہ وہ بنیادی عقائد اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً "تثلیث" کا عقیدہ، "کفارہ" کا عقیدہ، تحریف شدہ تورات اور انجیل پر ایمان وغیرہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت اگرچہ وہ مذکورہ بالا باطل عقائد رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو "اہل کتاب" کا لقب دیا اور قرآن کریم میں ان کے ان باطل عقائد کی صراحت فرمائی، چنانچہ فرمایا:

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ۔(۱)

---

(۱) سورۃ التوبۃ آیت ۳۰۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلاثَۃٍ (۱)

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ۔(۲)

ایک اور مقام پر فرمایا:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ۔(۳)

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وروی عبادة بن نسیّ عن غضیف بن الحارث أن عاملاً لعمربن الخطاب رضی اللّٰہ عنه کتب إلیه أن ناساً من السامرة یقرؤن التوراة ویسبتون السبت ولا یؤمنون بالبعث فماتری؟ فکتب الیه عمرؓ: أنهم طائفة من أهل الکتاب(۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے

(۱) سورۃ المائدۃ آیت ۷۳۔

(۲) سورۃ التوبۃ آیت ۳۰۔

(۳) سورۃ المائدۃ آیت ۱۳۔

(۴) احکام القرآن للجصاص، ج ۲، ص ۳۲۳۔

آپؓ کو لکھا کہ "سامرہ" قوم کے کچھ لوگ تورات
پڑھتے ہیں اور وہ ہفتہ کے دن اپنا مذہبی تہوار مناتے
ہیں اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان نہیں رکھتے، ان
کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جواب میں
حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ یہ اہل کتاب کا ایک گروہ
ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے "اہل کتاب" میں ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ توحید خالص پر ایمان رکھتا ہو، اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ موجودہ تورات اور انجیل کی تحریف پر ایمان رکھتا ہو، اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کے منسوخ ہونے پر ایمان رکھتا ہو جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ "اہل کتاب" ہونے کے لئے صرف ان بنیادی عقائد پر ایمان کافی ہے جن پر یہود و نصاریٰ ایمان لاتے ہیں اور جس کے ذریعے وہ دوسرے مذہب والوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

لیکن کسی شخص کے اہل کتاب میں سے ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اسکا نام "نصاریٰ" کے نام کی طرح ہو، اور نہ یہ کافی ہے کہ سرکاری مردم شماری کے وقت اس کا نام "نصاریٰ" کی فہرست میں لکھا جاتا ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کے عقائد بھی اہل کتاب جیسے عقائد ہوں۔ آج ہمارے دور میں خاص طور پر مغربی ممالک میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد

نظر آتی ہے جن کے نام تو "نصاریٰ" کے نام کی طرح ہوتے ہیں اور بعض اوقات مردم شماری کے وقت ان کا نام "نصاریٰ" کی فہرست میں درج کر دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ دہریے اور مادہ پرست ہوتے ہیں اور اس کائنات کے پیدا کرنے والے پر بھی ان کا ایمان نہیں ہوتا، دوسرے عقائد رکھنا تو دور کی بات ہے، بلکہ ایسے تمام مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، اس قسم کے لوگ "نصاریٰ" میں سے نہیں ہیں، لہٰذا ان کو "اہل کتاب" میں سے خیال کرنا جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔

اس کی دلیل بالکل واضح ہے، وہ یہ کہ "اہل کتاب" اپنے خاص عقائد کی وجہ سے دوسرے کفار سے ممتاز ہیں۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہوتے ہیں، رسولوں کے حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل نہ ہو، اور نہ رسولوں کے حق ہونے پر ایمان رکھتا ہو اور نہ ہی کتب سماوی پر ایمان رکھتا ہو، اس کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ "نصاریٰ بنی تغلب" کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی حکم مروی ہے، امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روی محمد بن سیرین عن عبیدة قال:

سألت علیا عن ذبائح نصاری العرب، فقال:

لاتحل ذبائحهم فانهم لم یتعلقوا من دینهم

بشئی الا بشرب الخمر ۔ (۱)

حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نصاریٰ عرب کے ذبائح کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ان کے ذبائح حلال نہیں، اس لئے کہ ان کا اپنے دین سے شراب پینے کے علاوہ اور کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی یہودیت اور نصرانیت کے بنیادی عقائد پر ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا صرف نصرانیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان کو اہل کتاب میں شمار کرنا ممکن نہیں۔

لیکن یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے وجود پر اس کا ایمان ہے اور نہ رسولوں پر اس کا ایمان ہے اور نہ ہی آسمانی کتابوں پر اس کا ایمان ہے، البتہ اگر ایک شخص نام سے اور ظاہری علامات سے نصرانی معلوم ہو رہا ہے تو اس کو نصرانی سمجھنا جائز ہے، جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اس کے عقائد مادہ پرستوں کے عقائد کی طرح ہیں۔

(۱) احکام القرآن للجصاص، ج ۲، ص ۳۲۳۔

ذابح کے مجہول ہونے کی صورت میں اس کے ذبیحہ کا حکم

اگر ذابح کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے کیا عقائد ہیں؟ یا یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس طریقے سے جانور ذبح کیا ہے؟ ایسے ذبیحہ کے بارے میں حکم مختلف ہیں:

﴿۱﴾ اگر مسلمانوں کا شہر ہے، یعنی اس شہر کی اکثر آبادی مسلمان ہے، ایسے شہر کے بازار میں جو گوشت فروخت کیا جائے اس کا کھانا حلال ہے، اگرچہ ہم نے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا نہ ہو، اور نہ یہ معلوم ہو کہ ذبح کرنے والے نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں؟ وجہ یہ ہے کہ اسلامی شہر میں جو چیز فروخت ہوگی، اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ یہ احکام شریعت کے موافق ہے اور ہمیں مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی اصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے:

إن قوماً قالوا للنبي صلى الله عليه وسلم: ان قوماً يأتونا بلحم لاندري أذكر اسم الله عليه أم لا؟ فقال: سمّوا عليه انتم وكلوه۔ قالت: وكانوا حديثي عهد بالكفر (۱)

ایک قوم کے کچھ لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ

(۱) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ذبیحۃ الاعراب ونحوھم، حدیث نمبر ۵۵۰۷۔

وسلم سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ذبح کرتے وقت انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کا نام لے کر اس کو کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کا زمانہ کفر سے قریب تھا۔ (یعنی وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابن التين: وأما التسمية على ذبح تولاه غيرهم من غير علمهم فلا تكليف عليهم فيه، وإنما يحمل على غير الصحة إذا تبين خلافها. ويحتمل أن يريد أن تسميتكم الآن تستبيحون بها أكل مالم تعلموا أذكر اسم الله عليه أم لا إذا كان الذابح ممن تصح ذبيحته إذا سمى، ويستفاد منه أن مايوجد في أسواق المسلمين محمول على الصحة وكذا ماذبحه أعراب المسلمين لأن

الغالب أنهم عرفوا التسمية . و بهذا الأخير جزم ابن عبدالبرؒ۔ (۱)

ابن التینؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ایسے جانور پر "تسمیہ" پڑھنے کا تعلق ہے جس کے ذبح کا عمل دوسروں نے انجام دیا ہو اور "تسمیہ" پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں ان کو علم نہ ہو، تو ایسے جانور کے بارے میں ان پر کوئی تکلیف نہیں ہے (کہ وہ اس بات کی تحقیق کریں کہ کس نے یہ جانور ذبح کیا ہے اور اس نے "تسمیہ" پڑھی یا نہیں؟) البتہ اگر اس جانور کے بارے میں "تسمیہ" کے خلاف (عدم تسمیہ کی) بات ظاہر ہو جائے تو اس صورت میں اس کو عدم صحت (حرام ہونے) پر محمول کیا جائے گا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم اب اس پر تسمیہ پڑھ کر کھا لو، اس ارشاد میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس وقت تمہارا "تسمیہ" پڑھنا ایسے جانور کا کھانا مباح کر دیتا ہے جس جانور کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے کہ آیا ذبح کرتے وقت اس پر "بسم اللہ" پڑھی گئی یا نہیں؟ جب کہ ذبح کرنے والا ایسا شخص ہے کہ اگر

(۱) فتح الباری ج ۹ ص ۶۳۵، ۶۳۶۔

وہ "تسمیہ" پڑھ کر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہو
جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ
مسلمانوں کے بازاروں میں جو گوشت فروخت کیا
جاتا ہے، اس کو صحت پر ہی محمول کیا جائے گا، اسی
طرح جس کو دیہاتی مسلمانوں نے ذبح کیا ہو، اس
لئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ "تسمیہ" پڑھنے
کے بارے میں جانتے ہوں گے۔ اس آخری بات پر
حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزم فرمایا ہے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ کہنا کہ "ان کا زمانہ کفر سے قریب تھا" یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اندیشہ یہ ہے کہ یہ لوگ ذبح کے وقت وجوب تسمیہ کے بارے میں علم نہ رکھتے ہوں، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذبح شدہ جانور کا گوشت کھانے کی اجازت دیدی، وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ جاہل ہو، پھر بھی حتی الامکان اس کے عمل کو صحت پر محمول کیا جائے گا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے یہ عمل غلط طریقے پر کیا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔ "باب ذبيحة الأعراب ونحوهم" اور نسائی کی روایت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ یہ حضرات "اعراب" یعنی دیہاتی تھے، جیسے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ان سے نقل

گیا ہے۔ اور عام طور پر اعراب میں علم کم ہی ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ دوسری صورت

اگر کسی شہر کی اکثر آبادی کفار غیر اہل کتاب کی ہو، تو اس شہر کے بازار میں جو گوشت فروخت ہو رہا ہوگا، وہ مسلمان کے لئے حلال نہیں ہوگا، جبتک کہ جس گوشت کو خرید اجا رہا ہے اس کے بارے میں یقین کے درجے میں یا غالب گمان کے درجے میں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ اس جانور کا گوشت ہے جس کو مسلمان یا کتابی نے شرعی طریقے پر ذبح کیا ہے۔ یہ صورت بالکل واضح ہے۔

﴿۳﴾ تیسری صورت

مندرجہ بالا دوسری صورت کا حکم اس شہر کے بارے میں بھی ہے جس کی آبادی مسلمان، بت پرست، اور آتش پرست کے درمیان مخلوط ہے۔ اس لئے کہ جس گوشت کے بارے میں شک ہو جائے، وہ حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا حلال ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔ اس کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکار کو حرام قرار دیا جس کے شکار میں ایسا دوسرا کتا شامل ہو جائے جس کو چھوڑتے وقت "تسمیہ" نہیں پڑھی گئی ہے۔

۴ چوتھی صورت

اگر کسی شہر کی اکثر آبادی ''اہل کتاب'' کی ہے تو اس شہر کے گوشت کا وہی حکم ہے جو مسلمانوں کے شہر کا ہے (یعنی وہاں کا گوشت خرید کر کھانا حلال ہے) اس لئے ذبح کے معاملے میں ان کا حکم مسلمانوں کی طرح ہے۔ لیکن اگر یقین یا غالب گمان کے درجے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس شہر کے اہل کتاب شرعی طریقے پر جانور ذبح نہیں کرتے ہیں تو اس صورت میں اس شہر کے بازار کا گوشت خرید کر کھانا جائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ گوشت جس کو ہم خرید رہے ہیں، شرعی طریقے پر ذبح شدہ جانور کا گوشت ہے۔ اور آج مغربی ممالک کے اکثر شہروں کا یہی حکم ہے۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم آگے بیان کریں گے۔

قل اعوذ برب الفلق
من شر ما خلق
و من شر غاسق اذا وقب
و من شر النفثت فی العقد
و من شر حاسد اذا حسد

جدید آلات سے ذبح کرنے کے طریقے

اور حکم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اللّٰہ جل جلالہ

جدید آلات سے ذبح کرنے کے طریقے

آبادی کی کثرت اور ان کے لئے غذائی ضروریات کی کثرت اس بات کا سبب بنی کہ حیوانات کو ذبح کرنے کے لئے آٹو میٹک مشینی آلات کو استعمال میں لایا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لئے آج بڑے بڑے مذبح خانے وجود میں آچکے ہیں جن میں ذبح کئے جانے والے جانوروں کی یومیہ تعداد ہزاروں جانور ہیں۔ اس لئے ان مشینی آلات سے ذبح کئے جانے

والے جانوروں کے بارے میں شرعی حکم جاننا ضروری ہے، اور جانوروں کی اقسام کے اعتبار سے ان کے ذبح کا طریقہ بھی مختلف ہے، چنانچہ مرغی کو ذبح کرنے کا طریقہ اور ہے، گائے اور بکری کو ذبح کرنے کا طریقہ دوسرا ہے، لہٰذا ہم ہر جانور کو ذبح کرنے کا تفصیلی طریقہ علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہوئے اس کا شرعی حکم بھی بیان کریں گے۔

مرغی ذبح کرنے کا طریقہ

کینیڈا، جنوبی افریقہ اور جزیرہ ری یونین میں مرغی ذبح کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، میں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، ایک بہت بڑی مشین ہوتی ہے جو ذبح سے لے کر گوشت کی پیکنگ تک کے تمام مراحل خود انجام دیتی ہے، اس میں ایک طرف سے زندہ مرغی داخل کی جاتی ہے اور دوسری طرف سے صاف ستھرا گوشت پیک ہوکر نکلتا ہے، اور اس کے تمام مراحل یعنی مرغی کا ذبح ہونا، اس کی کھال کا اترنا، اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکالنا، اس کے گوشت کو صاف کرنا، گوشت کے ٹکڑے کرنا، گوشت کو پیک کرنا، بجلی کی آٹو میٹک مشین کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ یہ مشین ایک لمبی لوہے کی پٹڑی پر مشتمل ہوتی ہے، جو ایک ہال کی چوڑائی میں دو دیواروں کے درمیان (اوپر کے حصے میں) نصب ہوتی ہے۔ اس پٹڑی کے نچلے حصے میں بہت سے ہک لٹکے ہوتے ہیں جن کا رخ زمین کی طرف ہوتا ہے، پھر ایک بڑے ٹرک کے اندر سیکڑوں مرغیاں لائی جاتی ہیں، اور ہر مرغی کو پاؤں کے

ذریعہ چڑی کے نیچے لٹکے ہوئے ہکوں کے ساتھ اس طرح لٹکا دیا جاتا ہے کہ اس کے دونوں پاؤں تو ھک کے کڑوں کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں اور باقی سارا جسم اس طرح اُلٹا لٹکا ہوتا ہے کہ اس کی چونچ اور گردن زمین کی طرف ہوتی ہے، پھر یہ ھک چڑی پر لٹکی ہوئی مرغی کو لے کر چلتے ہیں، اور مرغی کو اس جگہ پر لے آتے ہیں جہاں اوپر سے ٹھنڈا پانی چھوٹے آبشار کی شکل میں گرتا ہوتا ہے، چنانچہ وہ مرغیاں اس ٹھنڈے پانی سے گزرتی ہیں، اس ٹھنڈے پانی سے گزارنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو پہلے اوپر کے میل کچیل سے صاف کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس پانی کے اندر کرنٹ ہوتا ہے جو مرغی کو سن کر دیتا ہے، پھر وہ ہک مرغی کو اس جگہ پر لاتے ہیں جس کے نیچے گھومنے والی چھری نصب ہوتی ہے، وہ چھری بہت تیزی سے گھومتی ہے۔ یہ چھری اس جگہ پر نصب ہوتی ہے جہاں ان الٹی لٹکی ہوئی مرغی کی گردن پہنچتی ہے، جب وہ ہک چھری کی جگہ پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ ہک اس گھومنے والی چھری کے گرد ہلالی شکل میں گھومتا ہے، اس کے نتیجے میں بے شمار مرغیوں کی گردنیں اس چھری کے پاس ایک ساتھ پہنچتی ہیں اور وہ چھری ان گردنوں پر گزر جاتی ہے، جس کے نتیجے میں ان تمام مرغیوں کی گردنیں خود بخود کٹ جاتی ہیں۔

پھر وہ ھک مرغی کو لے کر آگے بڑھ جاتے ہیں، اور اب اگلی جگہ پر ان کا گزر ہوتا ہے جہاں دوبارہ ان مرغیوں پر پانی گرایا جاتا ہے، لیکن اس مرتبہ یہ پانی گرم ہوتا ہے، اور اس کے ذریعہ ان کے پروں کو صاف کرنا

مقصود ہوتا ہے۔ پھر آگے دوسرے مراحل ہوتے ہیں، یعنی اس کی آنتوں کو نکالنا، گوشت کو صاف کرنا، اس کے ٹکڑے کرنا، اور اس کی پیکنگ کرنا وغیرہ۔ چونکہ یہ تمام مراحل ہماری ذبح کی بحث سے خارج ہیں، اس لئے ان کے بیان کو ہم یہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ بجلی کی مشین مسلسل سارا دن چلتی رہتی ہے اور بعض اوقات دن رات چلتی ہے، استثنائی حالات کے علاوہ کبھی بند نہیں ہوتی۔

مندرجہ بالا ذبح کے طریقے میں شرعی نقطۂ نظر سے چار امور قابل بحث ہیں۔

﴿۱﴾ مرغیوں کا بجلی کے کرنٹ پر مشتمل ٹھنڈے پانی سے گزرنا۔

﴿۲﴾ گھومنے والی چھری سے گردن کا کٹنا۔

﴿۳﴾ گرم پانی سے مرغیوں کا گزرنا۔

﴿۴﴾ اس مشینی طریقے میں "تسمیہ" پڑھنے کے وجوب کو کیسے ادا کیا جائے گا؟

﴿۱﴾ جہاں تک مرغی کی گردن کاٹنے سے پہلے اس کو ٹھنڈے پانی سے گزارنے کا تعلق ہے تو یہ طریقہ تمام مذبح خانوں میں اختیار نہیں کیا جاتا، بلکہ اکثر مذبح خانوں میں ٹھنڈے پانی سے گزارنے کا عمل موجود نہیں ہے۔ بہرحال! اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس ٹھنڈے پانی میں بجلی کا کرنٹ نہ ہو تو اس طرح ٹھنڈے پانی سے گزارنے سے ذبح کے عمل میں کوئی اثر واقع نہیں ہوتا، اور اگر اس پانی کے اندر کرنٹ موجود ہو تو عادۃً وہ کرنٹ

حیوان کی موت کا سبب نہیں بنتا، البتہ اسکا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے، دماغ کے ماؤف ہو جانے سے دل سکڑ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس جانور کے ذبح کے وقت عادۃً اتنا خون نہیں نکلتا جتنا خون اس جانور سے نکلتا ہے جس کو ماؤف نہ کیا گیا ہو، البتہ صرف اس عمل سے اس جانور کی موت واقع نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کسی معین جانور کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ صرف اس عمل کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوگئی تھی تو اس جانور کا کھانا جائز نہیں ہوگا، اگرچہ بعد میں شرعی طریقے پر اس کی رگیں کاٹ دی جائیں۔ لہٰذا یہ یقین حاصل کرنا ضروری ہے کہ اس ٹھنڈے پانی یا بجلی کے کرنٹ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ جو حیوان کی موت واقع کرنے کے لئے کافی ہو، اس لئے اس موقع پر اس کی سخت نگرانی ضروری ہے کہ اس عمل کے ذریعہ کسی حیوان کی موت واقع نہ ہو جائے، اور مردہ ہونے کی حالت میں وہ جانور آگے نہ نکل جائے، لیکن اس کے باوجود بھی اس عمل کا ترک اولیٰ ہے، تاکہ شک وشبہ باقی نہ رہے۔

﴿۴﴾ جہاں تک گھومنے والی چھری سے ذبح کرنے کا تعلق ہے تو یہ چھری چکی کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کے کنارے تیز ہوتے ہیں، اور یہ چکی مسلسل تیزی کے ساتھ گھومتی رہتی ہے اور مرغیوں کی گردنیں اس کے کناروں پر گزرتی ہیں جس کے نتیجے میں ان کی گردنیں خود بخود کٹ جاتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس چھری کے ذریعہ مرغی کی تمام رگیں کٹ جاتی ہیں۔ لیکن بعض اوقات کسی وجہ سے مرغی اس حک میں اس طرح حرکت کر

جاتی ہے کہ اس کے نتیجے میں مرغی کی گردن اس گھومنے والی چھری کے سامنے پوری طرح نہیں آتی، جس کی وجہ سے بعض اوقات اس کی گردن بالکل نہیں کٹتی، اور بعض اوقات اتنی تھوڑی سی کٹتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی تمام رگیں کٹنے میں شک ہو جاتا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس کے ذریعہ "ذکاۃ شرعی" حاصل نہیں ہوتی۔

﴿۳﴾ جہاں تک "تسمیہ" پڑھنے کا تعلق ہے تو اس طریقے سے ذبح کرنے کی صورت میں اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے، پہلی مشکل ذابح کی تعیین میں ہے، کیونکہ "تسمیہ" پڑھنا ذابح پر واجب ہے، حتی کہ اگر ایک شخص "تسمیہ" پڑھے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو یہ صورت جائز نہیں، لہذا اب سوال یہ ہے کہ اس مشینی ذبح کے عمل میں "ذابح" کون ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا جاسکتا ہے کہ جس شخص نے پہلی مرتبہ وہ مشین اسٹارٹ کی وہ "ذابح" ہے، کیونکہ بجلی کی مشینوں کی تمام کارروائیاں اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں جس نے وہ مشین چلائی ہے، اس لئے کہ "آلہ" (مشین) ذوی العقول نہیں ہے کہ اس کی طرف فعل کی نسبت کی جائے، لہذا فعل کی نسبت اسی شخص کی طرف کی جائے گی جس نے اس "آلے" کو استعمال کیا ہے، اور "آلے" کے واسطے سے وہی شخص "فاعل" کہلائے گا۔

لیکن یہاں مشکل یہ ہے کہ جس شخص نے صبح کے وقت پہلی مرتبہ مشین اسٹارٹ کر دی تو بس وہ ایک ہی مرتبہ مشین اسٹارٹ کرتا ہے، پھر وہ مشین مسلسل سارے اوقات کار میں چلتی رہتی ہے اور بعض اوقات دن رات وہ

مشین چلتی رہتی ہے اور ہزاروں مرغیوں کی گردنیں کاٹ دیتی ہے، اب اگر مشین چلانے والے نے صبح پہلی مرتبہ مشین اسٹارٹ کرتے وقت "بسم اللہ" پڑھ لی تو گویا ایک مرتبہ کی "بسم اللہ" ان ہزاروں مرغیوں کے لئے کافی ہوگی جو سارا دن اس مشین کے ذریعہ ذبح ہوتی رہیں؟ قرآن کریم کی آیت:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حیوان کے ذبح کے وقت مستقل "بسم اللہ" پڑھنا ضروری ہے کہ "بسم اللہ" پڑھنے کے فوراً بعد اس کو ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی بنیاد پر مندرجہ ذیل مسائل استنباط فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

واما الشرط الذی یرجع الی محل الذکاۃ، فمنھا تعیین المحل بالتسمیۃ فی الذکاۃ الاختیاریۃ، وعلی ھذا یخرج ما اذا ذبح و سمی ثم ذبح اخری، یظن ان التسمیۃ الاولی تجزئ عنھما لم تؤکل فلابد أن یجدد لکل ذبیحۃ تسمیۃ علی حدۃ۔ (۱)

(۱) فتاویٰ ہندیہ کتاب الذبائح، باب الاول، ج ۵ ص ۲۸۶۔

پس وہ شرط جو کل زکاۃ سے متعلق ہے، ان میں سے
ایک شرط یہ ہے کہ زکاۃ اختیاریہ میں تسمیہ کے ساتھ
محل تسمیہ کو متعین کرنا ہے، لہٰذا اس شرط کی وجہ سے یہ
صورت حد جواز سے خارج ہو جائے گی کہ اگر ایک
شخص نے ذبح کیا اور تسمیہ پڑھی اور پھر دوسرا جانور
اس خیال سے ذبح کر لیا کہ پہلی تسمیہ دونوں کی طرف
سے کافی ہو جائے گی تو یہ دوسرا جانور نہیں کھایا جائے
گا، لہٰذا ہر ذبیحہ کے لئے علیحدہ جدید بسم اللہ پڑھنا
ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

ولو اضجع شاة وأخذ السكين وسمى ثم
تركها وذبح شاة أخرى وترك التسمية
عامدا عليها لاتحل، كذا في الخلاصة (۱)

اگر کسی شخص نے بکری کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور
چھری ہاتھ میں لی اور بسم اللہ پڑھی پھر اس بکری کو
چھوڑ دیا اور دوسری بکری پکڑ کر ذبح کر دی اور اس

(۱) فتاویٰ ہندیہ

پر عمداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو یہ بکری حلال نہیں ہوگی۔

تیسرا مسئلہ

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

واذا أضجع شاة ليذبح و سمّى عليها ثم كلّم انساناً، أو شرب ماءً أو حدّد سكينا او أكل لقمةً أوما أشبه ذلك من عمل لم يكثر، حلّت بتلك التسمية، وإن طال الحديث و كثر العمل كره أكلها، وليس في ذلك تقدير، بل ينظر فيه الى العادة، إن استكثره الناس في العادة يكون كثيراً، وإن كان يعد قليلاً فهو قليل۔ (۱)

اگر ایک شخص نے بکری کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھ لی، پھر کسی انسان سے بات کی یا پانی پیا، یا چھری تیز کی، یا ایک لقمہ کھایا، یا اس جیسا کوئی معمولی کام کرلیا (اور پھر اس جانور کو ذبح

(۱) فتاویٰ ہندیہ ج ۵، ص ۲۸۸۔

کیا) تو اس صورت میں پہلی پڑھی ہوئی تسمیہ کے ذریعہ یہ بکری حلال ہو جائے گی۔ اور اگر بسم اللہ پڑھنے کے بعد لمبی بات چیت کرلی، یا بہت زیادہ کام کرلیا اور پھر بکری ذبح کی تو اس بکری کو کھانا مکروہ ہے۔ اور عمل کے کثیر اور قلیل ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں عادت کو دیکھا جائے گا، اگر عادۃً لوگ کسی عمل کو کثیر سمجھتے ہیں تو وہ کثیر شمار ہوگا اور جس عمل کو عادۃً قلیل سمجھتے ہیں اس کو قلیل سمجھا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والتسمية على الذبيحة معتبرة حال الذبح أو قريباً منه كما تعتبر على الطهارة - وان سمّى على شاة ثم أخذ أخرى فذبحها بتلك التسمية لم يجز، سواء أرسل الأولى أو ذبحها، لأنه لم يقصد الثانية بهذه التسمية - وان رأى قطيعاً من الغنم فقال: بسم الله، ثم اخذ شاة فذبحها بغير تسمية لم يحل - وان جهل كون ذلك لا يجزى لم

يجر مجرى النسيان، لأن النسيان يسقط المؤاخذة والجاهل مؤاخذ، ولذلك يفطر الجاهل بالأكل في الصوم دون الناسي، وإن أضجع شاة ليذبحها وسمى ثم ألقى السكين وأخذ أخرى أورد سلاماً أو كلم انسانا أو استسقى ماء ونحو ذلك و ذبح حل، لأنه سمّى على تلك الشاة بعينها ولم يفصل بينهما الا بفصل يسير، فأشبه مالو لم يتكلم(۱)

چوتھا مسئلہ

فرمایا کہ ذبیحہ پر وہ ''تسمیہ'' معتبر ہے جو ذبح کے وقت پڑھا جائے یا ذبح کے بالکل قریبی وقت میں پڑھا جائے، جیسا کہ طہارت میں بھی ایسا ہی ''تسمیہ'' معتبر ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک بکری پر تسمیہ پڑھا، پھر اس نے دوسری بکری پکڑی اور پہلے ''تسمیہ'' کے نتیجے میں اس کو ذبح کر دیا تو یہ ''تسمیہ'' کافی نہیں ہے،

(۱) المغنی لابن قدامہ، ج ۱۱، ص ۳۳۔

(اور اس دوسری بکری کا کھانا حلال نہیں) چاہے پہلی بکری کو اس نے چھوڑ دیا ہو یا ذبح کر دیا ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے دوسری بکری کے ارادے سے تسمیہ نہیں پڑھا تھا۔

پانچواں مسئلہ

اگر کسی شخص نے بکریوں کا ریوڑ دیکھ کر "بسم اللہ" کہا اور پھر اس میں سے ایک بکری پکڑ کر "بسم اللہ" کے بغیر ذبح کر دیا تو یہ بکری حلال نہیں ہوگی، اور اگر وہ جہالت کی وجہ سے ایسا کرے تب بھی وہ پہلی "بسم اللہ" کافی نہیں ہوگی، اس لئے "جہالت" کو "نسیان" کے قائم مقام نہیں کیا جائے گا، کیونکہ "نسیان" مؤاخذہ کو ساقط کر دیتا ہے اور "جہل" قابل مؤاخذہ ہوتا ہے۔ اس لئے روزہ کی حالت میں "جہالت" سے کھا لینے سے وہ مفطر صوم ہو جائے گا اور بھول کر کھا لینے سے مفطر صوم نہیں ہوگا۔

چھٹا مسئلہ

اگر کسی شخص نے ذبح کرنے کے لئے بکری کو لٹایا، اور

اس پر "بسم اللہ" پڑھی، پھر جو چھری ہاتھ میں تھی اس کو پھینک دیا اور دوسری چھری اٹھالی، یا بسم اللہ پڑھنے کے بعد کسی کے سلام کا جواب دیا، یا کسی سے بات کرلی، یا پانی طلب کیا، یا اس جیسا کوئی مختصر عمل کرلیا، اور پھر بکری کو ذبح کیا تو وہ بکری حلال ہوگی، اس لئے کہ اس نے بعینہ اس بکری پر "بسم اللہ" پڑھی تھی اور بسم اللہ اور ذبح کے درمیان معمولی درجے کا فصل کیا ہے، لہٰذا یہ فصل "بسم اللہ" کے بعد کوئی بات نہ کرنے کے مشابہ ہوگیا۔

علامہ مواق مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال مالك : لابد من التسمية عند الرمي وعند إرسال الجوارح و عند الذبح لقوله (وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ)(۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

کی وجہ سے تیر پھینکتے وقت اور شکاری جانور کو چھوڑتے

---

(۱) التاج و الإكليل بهامش مواهب الجليل، كتاب الذكاة، ج ۳، ص ۲۱۹۔

وقت اور ذبح کے وقت تسمیہ پڑھنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا فقہی عبارات اس بارے میں بالکل صریح ہیں کہ جو جمہور ائمہ ذبح کے وقت تسمیہ پڑھنے کو جانور کے حلال ہونے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، انہی جمہور ائمہ کے نزدیک اس تسمیہ کا متعین جانور پر ہونا اور ذبح کے وقت تسمیہ پڑھنا، اور تسمیہ اور ذبح کے درمیان معتد بہ فاصلہ نہ ہونا بھی شرط ہے۔ یہ تمام شرائط مندرجہ بالا مشینی ذبح کے طریقے میں نہیں پائی جاتیں، اس لئے کہ جس شخص نے پہلی مرتبہ مشین کو اسٹارٹ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لی، اس نے متعین مرغی پر بسم اللہ نہیں پڑھی، اور اس کی "بسم اللہ" اور ہزاروں مرغیوں کے ذبح کے درمیان بڑا فاصلہ بھی موجود ہے، بعض اوقات یہ فاصلہ پورے دن تک لمبا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات پورے دن رات اور بعض اوقات دو دو دن کا فاصلہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک مرتبہ پڑھی گئی "بسم اللہ" ان تمام حیوانات کی ذکاۃ کے لئے کافی نہیں ہوگی۔

اور مشینی ذبح کی یہ صورت اس مسئلے کے زیادہ قریب ہے جو علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی" میں بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے بکریوں کا ریوڑ دیکھا اور ان پر ایک مرتبہ "بسم اللہ" پڑھ دی اور پھر اس ریوڑ میں سے ایک بکری پکڑ کر "بسم اللہ" کے بغیر ذبح کر لی تو وہ بکری حرام ہوگی۔ (۱)

---

(۱) یہ مسئلہ "فتاوی ہندیہ" میں بھی موجود ہے۔ جلد ۵، ص ۲۸۹۔

البتہ اس مسئلے پر اس عبارت سے اشکال پیدا ہوتا ہے جو بعض فقہاء نے بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ:

ولو أضجع إحدى الشاتين على الأخرى تكفي تسمية واحدة إذا ذبحهما بإمرار واحد۔ ولو جمع العصافير في يده فذبح وسمّى و ذبح آخر على أثره ولم يسمّ لم يحل الثاني ولو أمرّ السكين على الكل جاز بتسمية واحدة۔ (۱)

اگر ایک بکری دوسری بکری کے اوپر لٹا دی تو اس صورت میں ایک ہی "تسمیہ" کافی ہوگی، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ چھری پھیرتے ہوئے دونوں کو ذبح کر دے۔ اگر کسی شخص نے اپنے ہاتھ میں بہت سی چڑیاں پکڑلیں، پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک کو ذبح کیا، اس کے فوراً بعد دوسری کو ذبح کر دیا اور دوسری پر "بسم اللہ" نہیں پڑھی تو یہ دوسری حلال نہیں ہوگی۔ اور اگر تمام چڑیوں پر ایک ہی مرتبہ میں چھری پھیر دی تو پھر ایک "بسم اللہ" کے ساتھ سب حلال ہو جائیں گی۔

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ ج ۵، ص ۲۸۹۔

بعض اوقات یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث "مشینی ذبح" کا مسئلہ دو بکریوں کو ایک دوسرے پر لٹا کر ذبح کرنے اور ایک ہاتھ میں بہت سی چڑیاں پکڑ کر ان کو ایک مرتبہ میں ذبح کرنے کے مشابہ ہے، لہٰذا جس طرح مندرجہ بالا دو مسئلوں میں ایک ہی "تسمیہ" کافی ہے، اسی طرح "مشینی ذبح" میں بھی ایک ہی مرتبہ "تسمیہ" پڑھنا کافی ہونا چاہیے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہمارا زیر بحث مسئلہ مندرجہ بالا دونوں صورتوں پر منطبق نہیں ہوتا، اس لئے کہ ان دونوں مسئلوں کی صورت تو یہ ہے کہ ان میں دو بکریوں کا ذبح یا بہت سی چڑیوں کا ذبح ایک ہی مرتبہ میں ہو جاتا ہے۔ اور ذبح اور تسمیہ کے درمیان معتدبہ فصل واقع نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے مذکورہ بالا جزئیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر ذبح کرنے والا بہت سی چڑیاں اپنے ہاتھ میں پکڑ لے اور پھر "بسم اللہ" پڑھنے کے بعد ایک چڑیا کو ذبح کرے اور پھر اس کے فوراً بعد دوسری چڑیا ذبح کرے تو یہ دوسری چڑیا حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس چڑیا کا ذبح اس چڑیا سے منفصل ہو گیا جس کو پہلی مرتبہ میں ذبح کیا گیا۔

جہاں تک ہمارے زیر بحث مسئلے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو مرغیاں پورے ایک دن یا دو دن تک مشین کے ذریعہ ذبح کی گئیں وہ سب کی سب ایک ہی مرتبہ ذبح کر دی گئیں، بلکہ اس کے اندر ذبح کی بہت سی کارروائیاں ہوتی ہیں، اور ہر کارروائی پہلی کارروائی کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق واضح ہے۔

بہرحال! مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ ایک دن یا دو دن کی تمام مرغیوں کے ذبح کے لئے مشین اسٹارٹ کرنے والے کا صرف ایک مرتبہ ''تسمیہ'' پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ گھومنے والی چھری کے پاس ایک آدمی کھڑا کر دیا جائے، تاکہ جس وقت مرغی چھری کے پاس پہنچے اس وقت وہ ''تسمیہ'' پڑھے اور پھر چھری اس مرغی کی گردن کاٹ دے، یہ طریقہ میں نے کینیڈا کے ایک مذبح خانہ میں دیکھا ہے، اس طریقہ کار میں ''تسمیہ'' کے شرعاً معتبر ہونے میں کئی اشکالات ہیں۔

پہلا اشکال

پہلا اشکال یہ ہے کہ ''تسمیہ'' کا ذابح سے صادر ہونا ضروری ہے اور یہ شخص جو گھومنے والی چھری کے پاس کھڑا ہے اس کا ذبح کی کارروائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ نہ تو اس نے مشین اسٹارٹ کی ہے اور نہ اس نے چھری گھمائی ہے اور نہ ہی اس نے مرغی کو چھری کے قریب کیا ہے، بلکہ ذبح کی تمام کارروائی سے اس شخص کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا ''تسمیہ'' ذابح کا تسمیہ نہیں ہے۔

دوسرا اشکال

دوسرا اشکال یہ ہے کہ گھومنے والی چھری کے پاس چند سیکنڈوں کے وقفہ سے بے شمار مرغیاں آتی ہیں اور اس چھری کے پاس کھڑے ہونے

والے شخص کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ آنے والی بے شمار مرغیوں میں سے ہر ایک پر کسی فصل کے بغیر بسم اللہ پڑھ سکے۔

تیسرا اشکال

تیسرا اشکال یہ ہے کہ مشین کے پاس کھڑا ہونے والا شخص انسان ہی تو ہے، وہ کوئی آٹومیٹک مشین نہیں ہے، اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ "تسمیہ" پڑھنے کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہی نہ ہو، بعض اوقات اس کو ایسی ضروریات بھی پیش آئیں گی جو اس کو "تسمیہ" پڑھنے سے روک دیں گی، اور اس وقت دسیوں مرغیاں گھومنے والی چھری پر گزر جائیں گی اور وہ "تسمیہ" کے بغیر ذبح ہو جائیں گی۔ چنانچہ میں نے کینیڈا کے مذکورہ مذبح خانے میں خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ شخص مشین کے پاس سے کچھ وقفہ کے لئے چلا جاتا تھا اور بعض اوقات یہ وقفہ آدھا گھنٹہ اور اس سے بھی لمبا ہو جاتا تھا۔

پھر اس آٹومیٹک مشین پر "تسمیہ" پڑھنے کے سلسلے میں ایک قابل غور بات اور بھی ہے: وہ یہ کہ ہم مشین کے اسٹارٹ کرنے کے عمل کو شکاری کتے کو چھوڑنے پر قیاس کرلیں، کہ جس طرح وہاں پر شکار کو ہلاک کرنے کے وقت "تسمیہ" واجب نہیں ہے، بلکہ کتے کو چھوڑنے کے وقت "تسمیہ" پڑھنا واجب ہے اور بعض اوقات کتا چھوڑنے میں اور شکار کو ہلاک کرنے کے درمیان طویل وقفہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات شکاری کتا ایک مرتبہ میں کئی جانور

شکار کرلیتا ہے، ظاہر ہے وہاں پر ایک ہی "تسمیہ" تمام جانوروں کے ہلاک ہونے کے لئے کافی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وإن سمّى الصائد على صيد فأصاب غيره حلّ، وإن سمّى على سهم ثم ألقاه وأخذ غيره فرمى به لم يبح ما صاده به، لأنه لمّا لم يمكن اعتبار التسمية على صيد بعينه اعتبرت الآلة التي يصيدبها بخلاف الذبيحة ويحتمل أن يباح قياساً على ما لو سمّى على سكين ثم ألقاها وأخذ غيرها وسقوط اعتبار تعين الصيد لمشقته لا يقتضي اعتبار تعيين الآلة فلا يعتبر۔ (۱)

اگر شکار کرنے والے نے شکار پر "تسمیہ" پڑھی، پھر شکاری جانور نے اس خاص شکار کے بجائے دوسرے جانور کو شکار کرلیا تو یہ دوسرا جانور حلال ہوگا، اور ایک شخص نے ایک تیر پر "تسمیہ" پڑھی، پھر وہ تیر رکھ دیا اور دوسرا تیر اٹھایا اور اس کو شکار کی طرف چلا دیا تو

(۱) المغنی لابن قدامہؒ، ج ۱۱ص ۳۳،۳۲۔

اس صورت میں وہ جانور مباح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب معین شکار پر "تسمیہ" پڑھنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس آلے کا اعتبار کیا جائے گا جس سے شکار کیا جائے گا، بخلاف ذبیحہ کے (کہ وہاں پر معین جانور پر "تسمیہ" پڑھنا ممکن ہے)۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ میں جانور کو مباح قرار دیا جائے اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے کہ ایک شخص نے ایک چھری پر "تسمیہ" پڑھی پھر اس کو رکھ دیا اور دوسری چھری اٹھا کر ذبح کر دیا تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے۔ اور شکار میں مشقت کی وجہ سے تعیین کا ساقط ہونا اس بات کا مقتضی نہیں ہے کہ آلہ کی تعیین کا اعتبار کیا جائے، لہٰذا آلے کی تعیین کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا ساری تفصیل ذکاۃ اضطراریہ سے متعلق ہے، اور جبکہ ہمارا زیر بحث مسئلہ ذکاۃ اختیاریہ سے متعلق ہے اور حالت اختیاریہ کو حالت اضطراریہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن جب ہم اس طرف نظر کرتے ہیں کہ آج موجودہ دور میں تھوڑے وقت میں زیادہ پیداوار کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے، اس لئے کہ آبادی زیادہ ہو چکی ہے۔ اور صارفین کی تعداد زیادہ ہو چکی ہے اور ذبح

کرنے والوں کی تعداد کم ہے، اور دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شریعت نے مشقت کی وجہ سے شکار میں تعیین کو ساقط کر دیا ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ظاہر ہے اور اس جیسی چیزوں میں شریعت کا حرج دفع کرنا معہود بھی ہے، یہ صورت حال بعض اوقات صرف "تقسیہ" کے مسئلے میں دفع حرج کے لئے اور لوگوں پر آسانی پیدا کرنے کے لئے حالت اختیاریہ کو حالت اضطراریہ پر قیاس کرنے کے لئے وجہ جواز پیدا کرتی ہے، اور میں اس رائے پر زیادہ قوت کے ساتھ قطعی فیصلہ نہیں کرتا، لیکن میں اسے قطعی فیصلے کے لئے علماء کرام کے سامنے بحث کے لئے پیش کرتا ہوں، اور اب تک اس کا میں نے فتوی نہیں دیا، خاص کر اس وقت جبکہ ہمارے پاس اس گھومنے والی چھری کا مناسب متبادل طریقہ موجود ہے اور وہ متبادل طریقہ اتنے ہی وقت میں ضرورت کی پیداوار کو پورا کر دیتا ہے۔

وہ متبادل طریقہ یہ ہے کہ اس آٹومیٹک مشین میں جو چھری لگی ہوئی ہے، اس کو ہٹا دیا جائے، اس جگہ پر چار مسلمان کھڑے کر دیئے جائیں اور جب لٹکی ہوئی مرغیاں ان کے پاس سے گزریں تو باری باری ایک ایک شخص بسم اللہ پڑھتے ہوئے مرغیوں کو ذبح کرتا رہے۔

یہ طریقہ جزیرہ مری یونین کے ایک بہت بڑے مذبح خانے کے حضرات کے سامنے بطور تجربہ کے پیش کیا، چنانچہ انہوں نے اس تجربہ پر عمل کیا، ان کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس طریقے کے ذریعے پیداوار میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی، اسلئے کہ وہ چھری جتنے وقت میں جتنی مرغیاں کاٹ

رہی تھی، وہ چار افراد بھی اتنے وقت میں اتنی ہی مرغیاں ذبح کر رہے تھے۔

اور یہ آٹومیٹک مشین بھی انسانی طاقت کے استعمال سے بالکلیہ بے نیاز نہیں ہوتی، چنانچہ ہم نے اس کا خود مشاہدہ کیا ہے کہ جن مقامات پر سے وہ لٹکی ہوئی مرغیاں گزرتی ہیں، ان میں سے بعض مقامات پر لوگوں کو کھڑا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں یا آلات کے ذریعے مرغیوں کے پیٹ سے آنتیں نکالتے ہیں۔ اور کوئی مذبح خانہ ایسا نہیں دیکھا جو اس جیسے انسانی عمل سے بالکل بے نیاز ہو، لہٰذا اگر اس جیسے کاموں کیلئے وہ لوگوں کو کھڑا کرتے ہیں تو ذبح کے عمل کے لئے بھی وہ چار افراد کو کھڑا کر سکتے ہیں، اس طرح شرعی طریقہ پر مسلمان ذبح کرنے والوں کے ہاتھوں سے "تسمیہ" کے ساتھ ان مرغیوں کا ذبح ہو جائے گا اور آگے کے باقی امور مشین انجام دے گی۔

جزیرہ ری یونین کے علاوہ میں نے جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن کے قریب اس سے زیادہ بڑا مذبح خانہ دیکھا، جس کی یومیہ پیداوار ہزارہا مرغیوں تک پہنچی ہوئی ہے، انہوں نے مسلمانوں کی یہ تجویز مانتے ہوئے اس کو شروع کر دیا اور اب کسی مشقت کے بغیر اس پر عمل کر رہے ہیں۔

اسی طرح جب میں نے کینیڈا کے مذبح خانہ کا معائنہ کیا تو ان کے سامنے بھی میں نے یہ تجویز پیش کی تو انہوں نے مسلمانوں کے مطالبہ پر اس طریقے پر عمل کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا، لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا

پڑ رہا ہے کہ وہاں کی "جمعیت المسلمین" جو اس بات کا سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے کہ فلاں مذبح خانے کا گوشت حلال ہے، اس نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔

لہٰذا جب تک یہ متبادل طریقہ موجود ہے اس وقت تک اس مشینی چھری کی بہت زیادہ ضرورت نہیں، اور اس متبادل طریقے کے ہوتے ہوئے ذکاۃ اختیاریہ کو ذکاۃ اضطراریہ پر قیاس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

گرم پانی سے مرغی گزارنا

مشینی ذبح کا آخری مسئلہ ان مرغیوں کو گرم پانی سے گزارنے کا مسئلہ ہے، چنانچہ ان مرغیوں کو "گھومنے والی چھری" سے گزارنے کے بعد ان کو ایک ایسی جگہ سے گزارا جاتا ہے جہاں ان پر اوپر کی طرف سے گرم پانی گرایا جاتا ہے تاکہ اس سے مرغی کے پر جھڑ جائیں، البتہ اس گرم پانی پر دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔

ایک اشکال یہ ہے کہ اگر گھومنے والی چھری کے ذریعے ان مرغیوں کی رگیں شرعی طریقے پر نہیں کٹیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے اندر حیات باقی ہو، اور پھر جب ان کو گرم پانی سے گزارا گیا تو اب اس میں یہ احتمال ہے کہ ان مرغیوں کی موت اس گرم پانی کی وجہ سے واقع ہوئی ہو۔

دوسرا اشکال بعض حضرات نے یہ کیا ہے کہ ان مرغیوں کے پیٹ سے آنتیں اور گندگی نکالنے سے پہلے ہی ان کو گرم پانی سے گزارا جاتا ہے اور

بعض مرتبہ گرم پانی میں جوش دینے کی وجہ سے اس کی نجاستیں حیوان کے گوشت کے اندر سرایت کر جاتی ہیں، اور فقہاء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اس قسم کا حیوان کبھی حلال نہیں ہوتا، چنانچہ درمختار میں ہے کہ:

وكذا دجاجة ملقاة حالة غلي الماء للنتف قبل شقها۔

یہی حکم اس مرغی کا ہے جس کو شق کرنے سے پہلے ابلتے پانی میں ڈال دیا جائے۔

مندرجہ بالا عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال في الفتح: إنها لاتطهر أبداً لكن على قول أبي يوسف تطهر والعلة۔ والله أعلم۔ تشربها النجاسة بواسطة الغليان۔ (1)

فتح میں فرمایا کہ ایسی مرغی کبھی بھی پاک نہیں ہو سکتی، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق پاک ہو سکتی ہے، پاک نہ ہونے کی علت۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے کہ گرم پانی کے نتیجے میں نجاست گوشت کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔

(1) ردالمحتار لابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۴، قبیل فصل الاستنجاء۔

لیکن مندرجہ بالا اشکال ہمارے زیر بحث مسئلہ پر وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ مرغی کو جس گرم پانی سے گزارا جاتا ہے اس کا درجہ حرارت "جوش" اور "غلیان" تک پہنچا ہوا نہیں ہوتا، کیونکہ سو درجہ حرارت سے کافی کم گرم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مرغی کو گرم پانی میں چند منٹ سے زیادہ نہیں رکھا جاتا اور اتنی مدت نجاست کے گوشت میں سرایت کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اور جن فقہاء نے اس مرغی کو نجس قرار دیا ہے، وہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ پانی اُبلنے کی حد تک گرم ہو اور اس پانی کے اندر مرغی اتنی دیر تک پڑی رہے کہ اس کے نتیجے میں نجاست گوشت کے اندر سرایت کر جائے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس لكن العلة المذكورة لاتثبت مالم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل إلى حد الغليان ـ ولا يترك فيه إلا مقدار ماتصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف، بل لو ترك يمنع

انقلاع الشعر (۱)

اسی مسئلہ کی بنیاد پر یہ مشہور ہے کہ مصر کا "لحم سمیط" ناپاک ہے، لیکن مذکورہ علت (غلیان کی وجہ سے نجاست کا گوشت کے اندر سرایت کرنا) اس وقت تک نہیں پائی جاسکتی جب تک وہ گوشت پانی میں جوش آنے کے بعد اتنی دیر تک اس پانی میں نہ پڑا رہے کہ اس کے نتیجے میں گوشت کے اندر تک وہ نجاست سرایت کر جائے، اور "سمیط" کے اندر یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں، کیونکہ ایک تو وہ پانی "غلیان" کی حد تک گرم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ گوشت کو اس پانی میں صرف اتنی دیر کے لئے رکھا جاتا ہے کہ اس پانی کی حرارت اس کی ظاہری کھال تک پہنچ جائے، تاکہ اس کی کھال کے مسامات کھل جائیں، کیونکہ اگر اس کو پانی میں نہ ڈالیں بلکہ ویسے ہی چھوڑ دیں تو اس کے پر اور بال نہیں اکھاڑے جاسکیں گے۔

مندرجہ بالا صورت اس گرم پانی پر پوری طرح صادق آتی ہے جس پانی سے مرغیوں کو اس مشینی ذبح کے عمل کے دوران گزارا جاتا ہے، اور جس

(۱) ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۳۴۔

نے خود اس پانی کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا ہے تو وہ پانی غلیان اور جوش کی حد تک پہنچنا تو دور کی بات ہے اس پانی میں تو ہاتھ بھی نہیں جل رہا تھا۔

مرغی کے مشینی ذبح کی مندرجہ بالا بحث کے نتائج

اوپر ہم نے مرغی کے مشینی ذبح کا جو تفصیلی طریقہ بیان کیا ہے اس میں شرعی نقطہ نظر سے مندرجہ ذیل خرابیاں موجود ہیں۔

﴿۱﴾ پہلی خرابی

بعض مذبح خانوں میں ذبح سے پہلے مرغیوں کو بجلی کے کرنٹ والے ٹھنڈے پانی میں غوطہ دیا جاتا ہے، جس میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ذبح سے پہلے ہی اس کی موت واقع نہ ہو جائے، کیونکہ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اس کرنٹ کے نتیجے میں ۹۰٪ فیصد مرغیوں کے دل کی حرکت رک جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿۲﴾ دوسری خرابی

اکثر اوقات تو اس مشین میں لگی ہوئی گھومنے والی چھری مرغی کی گردن کی رگوں کو کاٹنے کے لئے کافی ہو جاتی ہے، البتہ بعض اوقات اس مرغی کی گردن اس چھری تک پوری طرح نہیں پہنچ پاتی، جس کے نتیجے میں یا تو مرغی کا گلا بالکل نہیں کٹتا، یا تھوڑا بہت کٹ جاتا ہے اور کچھ رگیں کٹنے سے رہ جاتی

ہیں۔

﴿۳﴾ تیسری خرابی

اس چھری کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر مرغی پر ''تسمیہ'' پڑھی جاسکے، اور مشین اسٹارٹ کرتے وقت ''تسمیہ'' پڑھنا یا چھری کے پاس کھڑے ہونے والے شخص کا ''تسمیہ'' پڑھنا شرعی تقاضہ کو پورا نہیں کرتا۔

﴿۴﴾ چوتھی خرابی

جس گرم پانی سے مرغیوں کو گزارا جاتا ہے، اس میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ جن مرغیوں کی گردن بالکل نہیں کٹیں یا جن کی ناقص کٹی ہیں، اس پانی میں سے گزارنے کی وجہ سے ان کی موت واقع نہ ہوجائے۔

مندرجہ بالا چار خرابیوں میں غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان خرابیوں کو دور کرنا مشکل نہیں ہے، اور اس مشینی ذبح کے طریقہ کار میں تھوڑی سی ترمیمات سے اس کو شریعت کے مطابق بنایا جاسکتا ہے۔ اور وہ ترمیمات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی ترمیم

پہلی ترمیم یہ ہے کہ ٹھنڈے پانی میں بجلی کا کرنٹ نہ چھوڑا جائے، یا اس بات کا یقین حاصل کرلیا جائے کہ اس کے نتیجے میں اس مرغی کے دل کی

حرکت بند نہ ہو جائے۔

دوسری ترمیم

اس مشین سے چھری نکال دی جائے اور اس کی جگہ پر چند مسلمان یا اہل کتاب کھڑے کئے جائیں اور جب مرغیاں ان کے سامنے سے گزریں تو ان میں سے ہر ایک باری باری ہر مرغی پر ''تسمیہ'' پڑھتے ہوئے ان کو ذبح کرے، جس کا تفصیلی طریقہ میں نے پیچھے عرض کر دیا، اور مسلمانوں کے مطالبہ کرنے پر بڑے بڑے مذبح خانوں کے حضرات نے اپنے ہاں یہ طریقہ جاری کیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی پیداوار کی تعداد میں بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔

تیسری ترمیم

اس بات کا یقین ہونا ضروری ہے کہ جس گرم پانی سے مذبوحہ مرغیوں کو گزارا جاتا ہے وہ ''غلیان'' کی حد تک گرم نہ ہو۔

مندرجہ بالا تین ترمیمات کے بعد مشین سے ذبح شدہ مرغیاں حلال ہوں گی۔

چوپاؤں کا مشینی ذبح

جہاں تک چوپائے یعنی گائے اور بکری جیسے بڑے جانوروں کے مشین سے ذبح کا تعلق ہے تو اس کا طریقہ مرغی کے ذبح کے طریقے سے مختلف ہے، اس میں مشینی چھری کے ذریعہ جانور کی روح نہیں نکالی جاتی، بلکہ ایسے اعمال کے ذریعہ اس کی روح نکلتی ہے جس کو انسان انجام دیتا ہے۔ ان اعمال میں سے ایک عمل "دم گھونٹنا" ہے، چنانچہ آج کل ذبح کے جس طریقے کو "انگریزی طریقہ" کہا جاتا ہے اس میں یہ پایا جاتا ہے، اس طریقے میں دو پسلیوں کے درمیان سے سینہ چاک کیا جاتا ہے اور اس میں ہوا بھری جاتی ہے، حتی کہ پمپ کے ہوا کے دباؤ کے نتیجے میں اس کا دم گھٹ جاتا ہے اور اس عمل کے ذریعے اس کا خون بالکل خارج نہیں ہوتا۔ یہ بدیہی بات ہے کہ اس طریقہ سے ذبح شدہ حیوان "منخنقة" میں داخل ہے جس کی حرمت قرآن کریم میں منصوص ہے۔ اور ہم نے پیچھے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ "خنق" حیوان کے گوشت کو حرام کر دیتا ہے چاہے یہ "خنق" مسلمان سے صادر ہو یا کتابی سے صادر ہو۔ لہٰذا اس طریقے سے "مخنوق" شدہ حیوان کی حلت کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

لیکن آج کل اکثر مذبح خانوں میں گلے کے ایک حصے کو کاٹ کر یا گردن کو کاٹ کر اور اس کا خون بہا کر ذبح کا عمل مکمل کیا جاتا ہے، مگر چونکہ

حیوان کو زخمی کرنے کے متعدد طریقے رائج ہیں، اس لئے ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا ان کے ذریعہ رگیں کٹ جاتی ہیں یا حیوان کو گردن کے علاوہ دوسری جگہ سے کاٹا جاتا ہے، اور جانور اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے گلے کی تمام رگیں کاٹ دی گئی ہیں جن کا کاٹنا شرعاً واجب ہے۔ البتہ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ حیوان کو شرعی طریقے پر اس کی تمام رگیں کاٹ کر ذبح کرے۔

لیکن ان مذبح خانوں کے ذبیحہ میں محل بحث بات یہ ہے کہ وہ لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ذبح کے عمل کو شروع کرنے سے پہلے یا تو جانور کو بے ہوش کریں یا اس کو سن کر دیں، اور ان کی نظر میں ذبح کے وقت جانور کی بے ہوشی کا یہ عمل حیوان کو راحت پہنچانے کے لئے اور اس کی تکلیف کو کم کرنے کے لئے واجب ہے، اور وہ لوگ حیوان کے مقید ہونے کی حالت میں اس کو روکنے کے لئے اور اس کی گردن کو سہولت کے ساتھ ذبح کرنے والے کے قریب لانے کے لئے بے شمار آلات استعمال کرتے ہیں۔

جانور کو بے ہوش کرنے کے طریقے

ذبح کرنے سے پہلے جانور کو مختلف طریقوں سے بے ہوش کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلا طریقہ جو بکثرت اختیار کیا جاتا ہے، وہ پستول کے ذریعہ ہے

ہوش کرنا ہے، البتہ یہ پستول گولی چلانے والی پستول نہیں ہوتی، بلکہ اس پستول کو چلانے سے اس میں سے ایک سوئی یا دھات کی سلاخ نکلتی ہے، اس پستول کو اس جانور کی پیشانی کے بیچ میں رکھ کر چلایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس میں سے سوئی یا سلاخ نکل کر اس جانور کے دماغ میں سوراخ کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے جانور اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ بے ہوش کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حیوان کی پیشانی پر ایک بڑا بھاری ہتوڑا مارا جاتا ہے۔ (جس کے نتیجے میں وہ اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے) چونکہ یہ طریقہ حیوان کے لئے تکلیف دہ ہے، اس لئے اکثر مذبح خانوں میں یہ طریقہ چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کے بدلے ''پستول'' والا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

۳۔ بے ہوش کرنے کا تیسرا طریقہ ''گیس'' کا استعمال ہے، اس طرح کہ حیوان کو ایسی جگہ پہ بند کر دیا جاتا ہے جہاں خاص مقدار میں دوسری کاربن اکسائیڈ ہوتی ہے، اور یہ گیس اس جانور کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، اس کے بعد اس کو ہاتھ سے ذبح کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ بے ہوش کرنے کا چوتھا طریقہ ''کرنٹ کے جھٹکے'' کا استعمال ہے، وہ اس طرح کہ چمٹی کی طرح کا ایک آلہ حیوان کے دونوں کانوں پر رکھا جاتا ہے اور اس آلے سے بجلی کا کرنٹ چھوڑا جاتا ہے جو اس کے دماغ تک پہنچ

جاتا ہے، چنانچہ وہ جانور اس کرنٹ کے جھٹکے کی وجہ سے اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔

جانور کو بے ہوش کرنے کا شرعی حکم جاننے کے لئے اس پر دو جہت سے کلام کرنا ضروری ہے، اوّلاً: کیا اس طریقہ کو اختیار کرنا شرعاً جائز ہے؟ ثانیاً اگر بے ہوش کرنے کے بعد مسلمان یا کتابی اس جانور کو شرعی طریقے پر ذبح کر دے تو کیا وہ جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

جہاں تک اس طریقے کے شرعاً جائز ہونے کا تعلق ہے تو یہ اس بات پر موقوف ہے کہ اس طریقے کو اختیار کرنے سے جانور کی ذبح کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معروف حدیث میں حیوان کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اس کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحدّ أحدكم شفرته وليرح ذبيحته۔ (۱)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصيد، باب الأمر با حسان الذبح والقتل، حديث نمبر ۱۹۵۵۔ ترمذي كتاب الديات، باب النهي عن المثلة، و ابوداؤد، والنسائي (دیکھئے: جامع الاصول، ج ۳، ص ۴۸۱)۔

جب تم (کسی کافر کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل
کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے
طریقے سے ذبح کرو، اور اپنی چھری تیز کرلو اور اپنے
جانور کو راحت پہنچاؤ۔

اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ شریعت اسلام نے ذبح حیوان کا جو طریقہ جاری فرمایا ہے کہ اس کی گردن کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں، یہ طریقہ حیوان کی روح نکالنے کے لئے بہت اچھا اور حیوان کے لئے بہت آسان اور سہل ہے۔ جہاں تک بے ہوشی کے عمل کا تعلق ہے تو یہ بعض حالات میں حیوان کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور ذبح کی تکلیف سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے، جیسا کہ بے ہوش کرنے کے لئے اس کی پیشانی پر ہتھوڑا مارنا، اس لئے بلاشبہ یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں۔ البتہ بیہوش کرنے کے جو دوسرے طریقے ہیں، ان کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی وجہ سے حیوان کی ذبح کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے یا زیادتی ہو جاتی ہے، اس لئے کہ حیوان کی پیشانی پر پستول چلانے سے اس کو شدید چوٹ لگتی ہے، اور کرنٹ کا جھٹکہ بھی تکلیف سے خالی نہیں، اور حیوان کو گیس کے اندر محبوس کرنا حیوان کے سانس گھٹنے کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ لیکن "علم حیوان" کے ماہرین کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ طریقے اس کی ذبح کی تکلیف کو کم کر دیتے ہیں، لہٰذا اگر یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ ان کی وجہ سے اس کی ذبح کی تکلیف کم ہو جاتی ہے اور ان افعال کے نتیجے میں اس حیوان کی موت بھی

واقع نہیں ہوتی تو اس صورت میں ان طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

بیہوشی کے بعد ذبح کیے گئے جانور کا حکم

جہاں تک اس جانور کے حلال اور حرام ہونے کا تعلق ہے جس کو بیہوش کرنے کے بعد ذبح کیا جاتا ہے، یہ حکم اس پر موقوف ہے کہ آیا بیہوش کرنے کا یہ عمل اس حیوان کی موت کا سبب بنتا ہے یا نہیں؟ تو آج کل ماہرین کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ عمل موت کا سبب نہیں بنتا، بلکہ اس عمل کے ذریعہ وہ جانور ہوش وحواس ختم کر دیتا ہے اور تکلیف کا احساس اس کے اندر ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن ماہرین کا یہ دعویٰ محل نظر ہے، کیونکہ جہاں تک ''پستول'' کے ذریعہ بیہوش کرنے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ سے حیوان کی پیشانی اور اس کے دماغ میں سخت چوٹ لگتی ہے، کوئی بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہو۔ لہٰذا ایسا جانور ''موقوذہ'' ہو جائے گا۔ میں نے خود بیہوش کرنے کے طریقے کا امریکہ کے شہر ''ڈیٹرائٹ'' میں مشاہدہ کیا ہے، میں نے دیکھا کہ ''پستول'' سے تقریباً ایک انگلی کے برابر سلاخ نکلی اور گائے کے دماغ میں داخل ہوگئی اور اس کے دماغ سے خون نکلنے لگا اور وہ گائے فوراً زمین پر گر گئی اور اس کے اعضاء کی حرکت بالکلیہ بند ہوگئی جیسے کہ وہ مرچکی ہو۔

لیکن اس مذبح خانے کے امریکی مالک نے بتایا کہ پستول چلانے کے بعد بھی چند منٹ تک حیوان زندہ رہتا ہے، اور اگر بارہ منٹ کے اندر اس کو ذبح نہ کیا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ پھر ایک مرتبہ ان مذبح خانوں کے سرکاری سپروائزر سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی، اس وقت انہوں نے بتایا کہ اس طریقے سے بیہوش کرنے کی صورت میں دو احتمال ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اس عمل کے چند منٹ بعد وہ جانور مر جاتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ جانور اپنے ہوش وحواس کی طرف واپس لوٹ جاتا ہے۔ اور اس سپروائزر نے اس بات کی بھی تصدیق کی کہ بیہوش کرنے کا یہ عمل لگاتار چند جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح ذبح کا عمل بھی لگاتار کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ بعید نہیں ہے کہ جب بے شمار جانوروں کو ایک ساتھ بیہوش کیا گیا ہو تو ان کو ذبح کرنے سے پہلے ہی کسی جانور کی موت واقع ہو چکی ہو، اور ہمارے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ ہم یہ معلوم کریں کہ ذبح کے وقت یہ جانور زندہ ہے۔

بہر حال! میرے لئے اس سپروائزر کی بات پر یقین کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن جو صورت حال میں نے دیکھی ہے، اس نے مجھے ان کے اس دعویٰ میں شک میں ڈال دیا ہے کہ بیہوش کرنے کے اس عمل کے سبب سے جانور کی موت واقع نہیں ہوتی، اور اس بات کا احتمال تو بعید نہیں ہے کہ اس شدید صدمہ کی وجہ سے بعض جانوروں کی موت واقع ہو جاتی ہو۔

جہاں تک بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ بیہوش کرنے کا تعلق ہے، تو بعض

ماہرین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بعض حالات میں اس کی وجہ سے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ''گیس'' کے ذریعہ بیہوش کرنے کے عمل میں اگر گیس کا تناسب زیادہ ہو جائے تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ جانور کی موت واقع ہو جائے۔

بہر حال! یہ موضوع دیندار غیرت مند اور اس فن کے ماہر مسلمانوں کے عمیق غور و خوض کا محتاج ہے۔ چونکہ یہ موضوع میرے دائرہ اختیار سے خارج ہے، اس لئے اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا میرے لئے مناسب نہیں، البتہ میں اکیڈمی کو یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ماہرین کی ایک کمیٹی بنائے، وہ کمیٹی اس موضوع پر مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ اکیڈمی کو پیش کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیہوش کرنے کے مندرجہ بالا طریقے اگر جانور کی موت واقع ہونے کا سبب بنتے ہیں، یا ان طریقوں کے اختیار کرنے سے جانور کی موت واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تب تو ان طریقوں کو اختیار کرنا جائز نہیں، اور بیہوش کرنے کے بعد ذبح کئے گئے جانور کو حلال نہیں کہا جائے گا اور جب تک یہ طریقے مشکوک ہیں، اس وقت تک ان سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ''یہود'' بیہوش کرنے کے کسی طریقے کو قبول نہیں کرتے، پھر تو مسلمانوں کو شبہات سے اور زیادہ دور رہنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قل اعوذ برب الفلق

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت

کا حکم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

لا اله الا الله محمد رسول الله

دوسرے ممالک سے درآمد کیے ہوئے گوشت کا حکم

آج بازار غیر مسلم ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، ہالینڈ، آسٹریلیا اور برازیل وغیرہ سے درآمد شدہ گوشت سے بھرے ہوئے ہیں۔ پیچھے دلائل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آچکی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اس وقت حلال ہے جب وہ لوگ ذبح کی شرعی شرائط کی رعایت کریں۔ اور جس زمانے میں قرآن کریم نے ان کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لئے مباح قرار دیا تھا اس وقت ان کے ذبیحہ میں یہ بات موجود تھی، جہاں تک (موجودہ دور کے) یہودیوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی گوشت کے سلسلے میں اپنے مذہب کے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے علماء کی نگرانی میں اپنے لئے علیحدہ مذبح خانے بنائیں اور اپنے گوشت کو "کوشر" نام کے ذریعہ ممتاز کرتے ہیں اور جہاں یہودیوں کی آبادی ہوتی ہے وہاں یہ گوشت آسانی سے دستیاب ہوتا ہے۔

جہاں تک (موجودہ دور کے) نصاریٰ کا تعلق ہے، وہ تو ذبح کے سلسلے میں تمام شرعی شرائط اور پابندیوں کا طوق اتار کر بالکل آزاد ہو چکے ہیں، چنانچہ آج ذبح کے سلسلے میں یہ لوگ ان احکام کا بھی لحاظ نہیں کر رہے ہیں جو آج بھی ان کی مقدس کتابوں میں موجود ہیں (جیسا کہ ان کی کتابوں کی

بعض عبارات ہم نے پیچھے بیان کیں) ان حالات میں ان کا ذبیحہ اس وقت تک حلال نہیں ہوگا جب تک کسی جانور کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس میں انہوں نے تمام شرعی شرائط کا لحاظ کیا ہے۔ بہر حال! وہ گوشت جو آج مغربی ممالک کے بازاروں میں فروخت ہو رہا ہے اور جو گوشت ''اسلامی ممالک'' میں غیر اسلامی ممالک سے درآمد کیا جا رہا ہے، اس کو استعمال سے روکنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں ذبح کرنے والے کے مذہب کے بارے میں پتہ چلانا مشکل ہے، کیونکہ ان ممالک میں بت پرست، آتش پرست، دہریے، اور مادہ پرست بھی بکثرت آباد ہیں۔ لہذا یہ یقین حاصل کرنا مشکل ہے کہ جس جانور کا گوشت بازار میں فروخت ہو رہا ہے اس کا ذبح کرنے والا ''اہل کتاب'' ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر تحقیق سے یا غالب آبادی پر حکم لگانے کی وجہ سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ذابح نصرانی ہے، پھر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ آیا وہ ذابح واقعی نصرانی ہے یا وہ اپنے عقیدے میں خدا کا منکر اور مادہ پرست ہے۔ ہم پیچھے تفصیل سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ آج نصرانیوں کی بہت بڑی تعداد وہ ہے جو اس کائنات کے خدا کے وجود کی منکر ہے (معاذ اللہ) لہذا ایسی صورت میں وہ ذابح فی الواقع نصرانی نہ ہوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر تحقیق یا ظاہر حال پر حکم لگانے کی وجہ سے یہ

ثابت بھی ہو جائے کہ وہ ذابح نصرانی ہے، تب بھی نصرانیوں کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت شرعی طریقہ اختیار کرنے کا التزام نہیں کرتے، بلکہ بعض نصرانی تو جانور کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیتے ہیں اور بعض جانور کی رگیں کاٹے بغیر ویسے ہی قتل کر دیتے ہیں اور بعض نصرانی جانور کو بیہوش کرنے کے لئے وہ مشتبہ طریقے اختیار کرتے ہیں جن کو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ نصاریٰ ذبح کے وقت تسمیہ نہیں پڑھتے۔ اور جمہور اہل علم کے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے بھی ذبح کے وقت "تسمیہ" شرط ہے۔

بہرحال! ممانعت کی مندرجہ بالا وجوہ قویہ کی وجہ سے کسی مسلمان کے لئے مغربی ممالک کے بازاروں میں فروخت ہونے والے گوشت کو کھانا جائز نہیں جب تک کسی معین گوشت کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ گوشت ذکاۃ شرعی کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گوشت کے اندر اصل حرمت ہے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکار کو کھانے سے منع فرمایا جس شکار میں شکاری کے کتے کے علاوہ دوسرا کتا بھی شامل ہو جائے۔

اسی طرح ایک حدیث میں شکار کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان وجدته غريقا في الماء فلا تأكل فانك لاتدري الماء قتله أو سهمك۔ (۱)

یعنی اگر تم اپنے شکار کو پانی میں غرق پاؤ تو اس شکار کو مت کھاؤ، اس لئے کہ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ جانور پانی میں غرق ہونے کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر سے مرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جانور میں حلت اور حرمت دونوں وجہیں پائی جائیں تو جانب حرمت کو ترجیح ہوگی۔ یہ حدیث بھی اس اصول پر دلالت کرتی ہے کہ گوشت کے اندر اصل "حرمت" ہے جب تک یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ حلال ہے۔ یہ اصول کی فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے۔

یہی حکم مغربی ممالک سے امپورٹ شدہ گوشت کا ہے، کیونکہ اس میں ممانعت کی مندرجہ بالا چاروں وجوہات پائی جاتی ہیں، جہاں تک اس شہادت کا تعلق ہے جو گوشت کے ڈبے پر اور اس کے کارٹن پر لکھی ہوتی ہے کہ:

انها مذبوحة على الطريقة الاسلامية۔

یعنی یہ گوشت اسلامی طریقے پر ذبح کیا گیا ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصید، حدیث نمبر ۱۹۲۹، دیکھئے تکملہ فتح الملہم، ۳:۴۹۳

بہت سے بیانات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس "شہادت" پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ سعودی عرب کی "ھیئۃ کبار العلماء" نے اپنے نمائندے ان غیر ملکی مذبح خانوں میں بھیجے جہاں سے اسلامی ممالک کو گوشت بھیجا جاتا ہے، چنانچہ ان نمائندوں نے ان مذبح خانوں کا جائزہ لینے کے بعد اپنی جو رپورٹیں پیش کی ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان ڈبوں اور کارٹنوں پر جو "شہادت" درج ہوتی ہے اس پر بالکل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ "فتاوی ھیئۃ کبار العلماء" میں غیر مسلم ممالک سے امپورٹ شدہ گوشت کے بارے میں جو "قرارداد" منظور کی گئی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کے بارے میں "ھیئۃ کبار العلماء" کی قرارداد

امریکہ اور دوسرے ممالک سے جو گوشت "سعودی عرب" میں "امپورٹ" کیا جاتا ہے اس پر کوئی حکم لگائے بغیر صرف جانور ذبح کر دینے کا شرعی طریقہ بیان کر دینے سے اس شخص کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا جو حلال کھانے کی فکر کرتا ہے اور حرام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا جن غیر مسلم ممالک سے سعودی عرب میں گوشت امپورٹ کیا جاتا ہے، وہاں کی کمپنیوں کے بارے میں یہ معلومات حاصل کرنا ضروری ہے کہ وہاں پر کس طرح جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کرنے والے کون کون لوگ ہوتے ہیں؟ لیکن عام مسلمان یہ سب معلومات کس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ اس لئے کہ ان ممالک کی مسافت بعیدہ کی وجہ سے ان کی طرف سفر میں بڑی

مشقت پیش آتی ہے، جس کی وجہ سے بہت کم لوگ ان ممالک کا سفر کرتے ہیں اور جو لوگ وہاں کا سفر کرتے ہیں، ان میں سے اکثر یا تو علاج کی غرض سے سفر کرتے ہیں یا (کمانے کی) خواہشات کی تکمیل کے لئے یا معلومات حاصل کرنے کے لئے وہاں کا سفر کرتے ہیں؛ لیکن اس مقصد کے لئے کوئی سفر نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی تفتیش کے لئے اور اس کی حقیقت سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے کوئی شخص اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے۔

اس لئے "ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد" کے صدر دفتر کی طرف سے ایک خط ان اداروں کے ذمہ داروں کی طرف لکھا گیا جو گوشت اور کھانے کی دوسری اشیاء سعودی عرب میں درآمد کرتے ہیں، جس میں ان اداروں سے حقیقت حال پوچھی گئی اور ان سے درخواست کی گئی کہ دینی اور شرعی نقطہ نظر سے ان امپورٹ شدہ گوشت کا خاص خیال رکھیں تاکہ مسلمانوں کو ان کھانوں سے بچایا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

ان اداروں کی طرف سے جو جواب آیا وہ بہت مجمل تھا، جس سے نہ تو اطمینان قلب حاصل ہوسکتا تھا اور نہ ہی شک دور ہوسکتا تھا۔ لہذا اس ادارے نے یورپ اور امریکہ میں اپنے نمائندوں کو خط لکھا کہ وہ ان مذبح خانوں میں ذبح کی کیفیت اور ذبح کرنے والوں کی دیانت کے بارے میں تحقیق کرکے اطلاع دیں، چنانچہ اس خط کے جواب میں بعض نے اجمالی جواب لکھ کر بھیج دیا، لیکن بعض غیرت مند حضرات نے اس کے بارے میں

رسالہ کی صورت میں ذبح کی کیفیت اور ذبح کرنے والوں کی دیانت کے بارے میں تفصیل سے جواب لکھا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن ان جوابات میں ان تمام غیر ملکی کمپنیوں کا احاطہ نہیں کیا گیا جو کمپنیاں سعودی عرب میں گوشت ایکسپورٹ کرتی ہیں اور جن کمپنیوں کے بارے میں بیان کیا گیا ان میں سے بعض کے بارے میں اجمالاً بیان کیا گیا۔

بہر حال! کمیٹی کو جو رپورٹیں موصول ہوئیں اور رسائل کے ذریعہ سے جو معلومات حاصل ہوئیں، اور ذبح کرنے کا شرعی طریقہ جس کا بیان اوپر آچکا اور اس بحث سے متعلق جو فتوے جاری ہوئے، ذیل میں ان سب کا خلاصہ کمیٹی پیش کرتی ہے تاکہ درآمد شدہ گوشت کا حکم واضح ہو جائے۔

خلاصہ

اولاً: رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکریٹری کا جو خط "ادارات البحوث العلمیة والافتاء" کے رئیس عام کے پاس آیا، جس میں یہ بات تحریر تھی کہ ان کے پاس یہ رپورٹیں آئی ہیں کہ "آسٹریلیا" کی بعض کمپنیاں جو اسلامی ممالک کو گوشت برآمد کرتی ہیں، خاص طور پر "الحلال الصادق" کمپنی جس کا مالک ایک قادیانی "حلال الصادق" ہے، یہ کمپنیاں گائے، بکریاں اور پرندے ذبح کرنے میں اسلامی طریقہ اختیار نہیں کرتی ہیں، اور ان کمپنیوں کے ذبح شدہ جانوروں کا کھانا حرام ہے، اور "رابطہ عالم اسلامی" نے اپنی کتاب میں جو قرار داد اور سفارش پیش کی ہے اس کی

رعایت ضروری ہے۔

ثانیاً: استاذ شیخ احمد بن صالح محاری کی طرف سے "فرانس" کی کمپنی "بریتیسا" کے طریقہ ذبح کے بارے میں جو رپورٹ آئی ہے کہ اس کمپنی میں ذبح کرنے والے کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ مسلمان ہے یا کتابی ہے یا بت پرست ہے یا ملحد ہے، اور اس میں شک رہتا ہے کہ مذبوحہ جانور کی دو رگیں کٹی ہیں یا ایک رگ کٹی ہے، اور اس گوشت کے حلال ہونے کی تصدیق کرنے والے کی گواہی نہ تو ذبح کے عمل کو بذات خود مشاہدہ کرنے پر مبنی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے نائب کے مشاہدہ پر مبنی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی شہادت ذبح کرنے والے کو جاننے پر مبنی ہوتی ہے۔ اس رپورٹ کی روشنی میں اس کمپنی کے ذبح شدہ جانوروں کو کھانا جائز نہیں، اور اس کمپنی کے غیر شرعی تذکیہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کمپنی کے ڈائریکٹر نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر درآمد کرنے والے ملک پہلے سے گوشت کی تخمینی مقدار ہمیں بتادیں تو ہم شرعی طریقے پر ذبح کرنے کے لئے موجودہ ذبح کے طریقے میں تبدیلی کرلیں گے۔

ثالثاً: استاذ احمد بن صالح محاری کی طرف سے (سادیا اویسة) کمپنی کے متعلق گائے اور مرغی کے ذبح کے طریقہ کار کے بارے میں جو رپورٹ آئی ہے اس میں ذابح کی دیانت مشکوک ہے، یہ معلوم نہیں کہ وہ ذابح کتابی ہے یا بت پرست ہے۔ دوسرے یہ کہ گائے کو پہلے بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ بیہوش کیا جاتا ہے، جب وہ گائے بیہوش ہوکر گر جاتی ہے تو اس کو مشینوں کے

ذریعہ پاؤں کی طرف سے باندھ کیا جاتا ہے، پھر چھری کے ذریعہ اس کی گردن کی کھال اتاری جاتی ہے، پھر دوسری چھری کے ذریعہ اس کی رگیں کاٹی جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں اس کا خون بڑی مقدار میں خارج ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس کمپنی کے مذبوحہ جانور کھانا جائز نہیں۔(۱)

رابعاً: شیخ عبداللہ الفضیہ کی طرف سے لندن میں ذبح کے طریقہ کار کے بارے میں یہ رپورٹ آئی ہے کہ یہاں پر ذبح کرنے والے دین سے منحرف نوجوان، بت پرست اور دہریے ہیں۔ ذبح کا طریقہ کار یہ ہے کہ مرغی کو ایک مشین میں ڈالا جاتا ہے، جب وہ مشین سے باہر نکلتی ہے تو وہ مردہ حالت میں ہوتی ہے اور تمام پر اکھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کا سر کٹا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی گردن پر ذبح کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، خود مذبح کے انگریز مالک نے بھی ان باتوں کا اقرار کیا۔

اور مذبح خانے کا منتظم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس خودکار مشین کے ذریعہ ہونے والے ذبح کے طریقے کو دیکھنا چاہے جس کے ذریعہ ذبح کرنے کے بعد وہ گوشت برآمد کیا جاتا ہے تو اس شخص کو وہ مذبح خانہ دکھا دیا جاتا ہے جس میں چند مسلمان اندرون ملک رہنے والے مسلمانوں کے لئے ذبح کرتے ہیں۔ یہ بات ذبح کے طریقے اور ذبح کرنے والے کی دیانت میں شک ڈال دیتی ہے، اس لئے اس کمپنی کے ذبح شدہ جانوروں کو کھانا حلال نہیں۔

(۱) رپورٹ ص ۶۰۳

خامساً: استاد حافظ کی طرف سے یونان کے بعض مشہور مقامات کے بارے میں یہ رپورٹ آئی ہے کہ وہاں پر بڑے جانوروں کو سروں پر پستول کے ذریعہ مار کر پہلے انہیں گرایا جاتا ہے اور پھر اسے ذبح کیا جاتا ہے، چونکہ ایسے جانور میں یہ شک رہتا ہے کہ ذبح کا عمل اس کی موت کے بعد ہوا یا پہلے ہوا، اس لئے ایسے جانور کو کھانا جائز نہیں۔ وہاں پر ذبح کا ایک اور طریقہ بھی رائج ہے، جس کے بارے میں رپورٹ بھیجنے والے کا کہنا یہ ہے کہ وہ طریقہ اسلامی طریقہ کے مطابق ہے، البتہ رپورٹ بھیجنے والے نے نہ تو ذبح کی کیفیت بیان کی ہے اور نہ ہی ذابح کی دیانت کے بارے میں کچھ بیان کیا ہے، اسی طرح نہ تو ذبح کرنے کی جگہ کے بارے میں بیان کیا ہے اور نہ ہی ذبح کرنے والی کمپنیوں کا ذکر کیا ہے۔

سادساً: ہمیں شیخ عبدالقادر ارناؤط کی طرف سے یوگوسلاویہ میں ذبح کے طریقہ کے بارے میں یہ رپورٹ موصول ہوئی ہے کہ یوگوسلاویہ کے دیہاتوں میں اور سرایوشہر میں اسلامی طریقے پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اور ذابح بھی مسلمان ہوتے ہے، لہٰذا ان جانوروں کو کھانا جائز ہے۔ لیکن یوگوسلاویہ کے دوسرے شہروں میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان میں ذبح کرنے والا غیر مسلم ہوتا ہے، جو ظاہرا تو کتابی یا شیعہ ہوتا ہے لیکن حقیقۃ الامر میں وہ ایسا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ذابح کی اہلیت میں شک کی وجہ سے یوگوسلاویہ کے دوسرے شہروں کے ذبیحہ جانور کو کھانا جائز نہیں۔

سابعاً: مغربی جرمنی میں ذبح کے طریقے کے بارے میں ڈاکٹر طباع

نے یہ رپورٹ بھیجی ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے گائے کے سر میں پستول ماری جاتی ہے اور پھر اس گائے کی موت واقع ہونے کے بعد اسے ذبح کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان ذبائح کو کھانا جائز نہیں۔

ثامناً: رسالہ "المجتمع" میں ڈنمارک میں ذبح کے طریقے کے بارے میں رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ذبح کرنے والے عیسائیوں کی جسمانی شیوعیین اور بت پرستوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور یہ کہ کمپنی کو اسلامی ذبح کے طریقہ کار کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ جو باتیں افواہوں کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، لہٰذا کمپنی کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اسلامی ذبح کے طریقے کا خیال رکھے اور یہ کہ وہ گوشت کے پیکٹ پر یہ عبارت لکھ دے کہ (ذبح علی الطریقۃ الاسلامیۃ) "اس کو اسلامی طریقے پر ذبح کیا گیا ہے"۔ گوشت درآمد کرنے والے یہ جملہ اس لئے لکھتے ہیں تاکہ وہ اس کی تصدیق کردے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کمپنی کے لوگ اس شخص کو ذبح کی کیفیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے روکتے ہیں جو معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اور استاذ احمد صالح محایری کے واسطے سے محمد الابیض المغربی کی طرف سے ایک رپورٹ آئی ہے جو ڈنمارک میں گوشت کو پیک کرنے کا کام کرتا ہے، وہ یہ کہ پیکنگ پر جو یہ عبارت لکھتے ہیں کہ "ذبحت علی الطریقۃ الاسلامیۃ" یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ جانور کا قتل بہر حالت

میں بجلی کے ذریعہ مکمل ہوتا ہے۔ بہرحال! مندرجہ بالا دونوں رپورٹوں کی بنیاد پر ڈنمارک سے درآمد گوشت کھانا جائز نہیں۔

تاسعاً: علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول بیان کیا گیا کہ جس چوپائے اور پرندے وغیرہ کو اہل کتاب نے ذبح کیا ہو، اس کا کھانا مطلقاً حلال ہے، اگرچہ ان کے ذبح کا طریقہ ہمارے طریقے کے موافق نہ ہو۔ اور یہ کہ ہر وہ چیز جس کو وہ اپنے مذہب میں حلال سمجھتے ہیں، وہ ہمارے لئے بھی حلال ہے، سوائے اس چیز کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ ذبح کا جو طریقہ اور جو فتاویٰ بیان ہوئے ہیں، ان کی بنیاد پر ان کا یہ قول مردود ہے۔

عاشراً: ذبح کرنے کا طریقہ اور ذبح کرنے والے کی دیانت کے بارے میں جو تفصیل اوپر بیان ہوئی، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وزارت تجارت وصنعت کی طرف سے ایوان صدارت جو تحریر بھیجی گئی ہے جس میں لکھا ہے کہ "برآمد شدہ گوشت حلال ہے" یہ تحریر کے اطمینان کے لئے کافی نہیں، بلکہ دلوں میں خلجان باقی رہتا ہے کہ یہ ذبائح اسلامی طریقۂ ذبح کے موافق ہیں یا نہیں؟ اور گوشت کے اندر اصل "حرمت" ہے، لہٰذا اس مشکل کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔

برآمد شدہ گوشت کی مشکل کا حل

اس حل کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

﴿۱﴾ ...... زیادہ سے زیادہ جانوروں کو پالا جائے اور ان کی نشوونما کا اہتمام کیا جائے، اور جس مقدار میں جانوروں کی ضرورت ہو، اتنی مقدار میں زندہ جانور ''سعودی عرب'' میں درآمد کئے جائیں، اور پھر یہاں پر ان کے چارہ کے مہیا کرنے کے عمل کو آسان بنایا جائے اور ''ملک'' کے اندر ہی ان کی نشوونما اور ذبح کے لئے مناسب جگہ تیار کی جائے۔ اور جانوروں کو پالنے اور ان کو ذبح کرنے کا کام کرنے والے افراد اور کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کی مدد کی جائے اور جانوروں کی ترسیل کے طریقے آسان کئے جائیں۔

اور بھی آسانیاں اور سہولتیں چیر بنانے کے کارخانے قائم کرنے اور گوشت کو پیک کرنے، تیل، گھی اور دوسرے تمام تیل بنانے کے کارخانے قائم کرنے والوں کو دی جائیں۔

﴿۲﴾ ...... جن ممالک سے سعودی عرب اور دوسرے اسلامی ملکوں کو گوشت درآمد کیا جاتا ہے، انہی ممالک میں ایسے مذبح خانے قائم کئے جائیں جن میں کام کرنے والے مسلمان ہوں اور وہاں پر جانور ذبح کرنے کے لئے شرعی طریقے کی رعایت رکھی جائے۔

﴿۳﴾ غیر مسلم ممالک کی وہ کمپنیاں جو سعودی عرب اور دوسرے مسلم ممالک کو گوشت برآمد کرتی ہیں، ان میں مسلمان، امانتدار اور شرعی طریقے پر جانور ذبح کرنے کے طریقے کو جاننے والے لوگ مقرر کئے

جائیں، یہ لوگ اتنے جانور ذبح کرسکیں جتنے سعودی عرب اور دوسرے مسلم ممالک کو ضرورت ہو۔

﴿۴﴾...... سعودی عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کو برآمد کرنے والی کمپنیوں میں ذبح کے شرعی احکام اور کھانوں کی اقسام سے باخبر اعتماد مسلمان مقرر کئے جائیں، تاکہ وہ جانور ذبح ہونے کے عمل اور تیار بنانے اور گوشت کو پیک کرنے کے عمل کی نگہداشت کریں۔

جب یہودی اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ان کے لئے ان کے عقیدہ اور طریقے کے مطابق جانور ذبح ہوں، چنانچہ انہوں نے اپنے لئے مخصوص مذبح خانے اور عملہ مقرر کیا ہوا ہے۔ تو مسلمان اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی بات مانی جائے، کیونکہ گوشت اور مغربی کارخانوں کی پیداوار کے صارفین میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور برآمد کرنے والے ممالک کو اپنے گوشت اور پیداوار کو مسلم ممالک کی طرف برآمد کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

والله الموفق۔ وصلى الله على نبينا محمد
وآله وصحبه وسلم۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

نائب صدر: عبدالرزاق عفیفی

رکن: عبداللہ بن غدیان

رکن: عبداللہ بن قعود

بہرحال! "الھیئۃ کبار العلماء" کے مندرجہ بالا ریزولیشن کی مندرجہ بالا ریزولیشن اور "اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء" کی مندرجہ بالا سفارشات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ برآمد گوشت کے پیکٹ پر تحریر شدہ یہ عبارت کہ "اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کیا گیا ہے" یہ عبارت بالکل قابل اعتماد نہیں، لہٰذا جب تک قابل اعتماد ذرائع سے معلوم نہ ہو کہ اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے، اس وقت تک اس گوشت کا کھانا جائز نہیں۔

اس بحث کے ذریعہ جن نتائج تک ہم پہنچے ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

بحث کا خلاصہ

﴿۱﴾..... ذبح کا معاملہ ایسے عام معاملات کی طرح نہیں ہے جو کسی حکم شرعی کے ساتھ مقید نہ ہو، جیسے کھانا پکانے کا معاملہ ہے، بلکہ یہ ان امور تعبدیہ میں سے ہے جو قرآن و سنت میں بیان کردہ احکام کے تابع ہے، بلکہ ذبح کا معاملہ دین اسلام کے شعائر اور علامات میں سے ہے جس کے ذریعہ مسلمان غیر مسلم سے ممتاز ہو جاتا ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے:

من صلی صلا تنا واستقبل قبلتنا وأکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله ورسوله۔

یعنی جس شخص نے ہماری نماز جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھایا، تو یہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

﴿۳﴾..... کوئی جانور چاہے ماکول اللحم ہو، اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا جب تک اس کو شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا جائے، جس کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(الف)... جن جانوروں کے ذبح کرنے پر قدرت ہے ان کی روح اس کے گلے کی رگوں کے کاٹنے کے نتیجے میں نکلے، البتہ رگوں کی کم از کم مقدار کے بارے میں فقہاء کا جو اختلاف ہے اسے ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔

(ب)...... ذبح کرنے والا عقلمند، باشعور مسلمان یا عیسائی یا یہودی ہو۔

(ج)..... ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

لہٰذا اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام چھوڑا گیا تو جمہور فقہاء کے قول کے

مطابق وہ جانور "مردار" کے حکم میں ہے، اس قول کی تائید ان نصوص سے ہوتی ہے جن کا ثبوت قطعی اور مدلول واضح ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھول کر چھوڑ دیا تو ایسا شخص معذور ہے اور اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو یہ قول منسوب ہے کہ: متروک التسمیہ عامداً ان کے نزدیک حلال ہے اس قول کی صراحت نہیں ملی، بلکہ "کتاب الام" میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارات مذکور ہیں وہ اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ ان کا قول حالتِ نسیان میں جانور کے حلال ہونے کا ہے، البتہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کے وقت استخفافاً تسمیہ چھوڑ دے تو وہ جانور حرام ہوگا۔

﴿۳﴾ ......اہل کتاب کا ذبیحہ اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ ذبح کے وقت قیود شرعیہ کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ اہل کتاب مردار، گلا گھونٹ کر ہلاک کیا جانے والا جانور، پتھروں کے ذریعہ مارا ہوا جانور، وہ جانور جس کو درندے پھاڑ دیں، ان سب جانوروں کو حرام قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ان کی مقدس کتابوں میں مذکور ہے، ان مقدس کتابوں کی عبارات ہم نے پیچھے تفصیل سے بیان کر دیں، نیز یہ کہ اہل کتاب ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے، اس وجہ سے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور مسلمانوں کے ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح سمجھے جاتے ہیں، مسلمانوں کے لئے ان کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

﴿۴﴾ ......اسی طرح مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے

نکاح کو حلال قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ لوگ نکاح کے معاملات میں ان احکام کی پابندی کرتے ہیں جو اسلام کے نکاح کے احکام کے مشابہ ہیں۔ اس لئے شرعی لحاظ سے اس نکاح کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نکاح اسلام کے شرعی احکام کے مطابق ہو۔

لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔

بالاجماع اس کے ساتھ مقید ہے کہ زوجین احکام شرعیہ کا التزام کریں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔

بھی اس کے ساتھ مقید ہے کہ اس ذبح میں احکام شرعیہ کا التزام کیا گیا ہو، اس لئے کہ دونوں حکم ایک ہی سیاق و سباق میں وارد ہوئے ہیں۔

﴿د﴾...... علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ "جس جانور کا گلا اہل کتاب نے گھونٹ دیا ہو، وہ جانور حلال ہے" خود ان کے اس قول سے معارض ہے جس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ "اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب وہ ذبح کے وقت احکام شرعیہ کا التزام کریں، لہٰذا ان کے دو متعارض قولوں میں سے اس قول کو لیا جائے گا جو نصوص صریحہ اور اہل علم کے اجماع کے موافق ہوگا۔

دوسرے یہ کہ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ "اہل کتاب کا

منخنقة جانور حلال ہے" یہ اس بات پر مبنی ہے کہ عیسائیوں کے مذہب میں منخنقة جانور حلال ہے، لیکن عیسائیوں کی کتابوں میں اس کے خلاف ثابت ہے (یعنی یہ کہ منخنقة جانور حلال نہیں) لہٰذا علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شاذ قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

﴿۶﴾...... راجح یہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے "تسمیہ" اسی طرح شرط ہے جس طرح مسلمان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے "تسمیہ" شرط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

اپنی عمومیت کی وجہ سے مسلمان اور اہل کتاب دونوں کو شامل ہے، خاص کر اس وجہ سے کہ اس آیت میں "لَمْ يُذْكَرِ" مجہول کا صیغہ ہے۔

﴿۷﴾...... "اہل کتاب" سے مراد وہ یہود اور نصاریٰ ہیں جو اپنے مذہب کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہوں، اگرچہ اپنے مذہب کے باطل عقائد مثلاً تثلیث، کفارہ وغیرہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں، لیکن جو اہل کتاب اللہ پر، رسول پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہ رکھتے ہوں، ایسے اہل کتاب درحقیقت مادہ پرست ہیں، ان پر اہل کتاب ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ مذہب کے خانے میں ان کے نام کے ساتھ یہودی اور نصرانی لکھا ہوا ہو۔

﴿۸﴾...... مسلمانوں کے علاقوں میں جو گوشت فروخت ہو رہا ہو، اگر اس کے ذابح کے بارے میں علم نہ ہو تو اس کو یہ سمجھا جائے کہ یہ شرعی طریقے کے مطابق ذبح شدہ ہے اور اس گوشت کا کھانا حلال ہے، الا یہ کہ

اس گوشت کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ذبح کرنے والے نے اس کو شرعی طریقے پر ذبح نہیں کیا تو اس صورت میں اس گوشت کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو "اعراب" کے ذبائح کے بارے میں منقول ہے۔

﴿۹﴾...... "اہل کتاب" کے بازاروں میں جو گوشت فروخت ہو رہا ہو، اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے، إلا یہ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ ذابح اور کوئی ہے۔

﴿۱۰﴾...... موجودہ زمانے کے نصاریٰ نے ذبح کے معاملے میں شرعی پابندیوں کا طوق اتار دیا ہے، اور اپنے دین کے احکام پر عمل چھوڑ دیا ہے، چنانچہ ذبح کے معاملے میں وہ لوگ شرعی طریقے کا التزام نہیں کرتے، لہٰذا موجودہ دور کے نصاریٰ کا ذبیحہ حلال نہیں جب تک کسی خاص گوشت کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کو نصرانی نے شرعی طریقے پر ذبح کیا ہے۔ لہٰذا نصاریٰ کے بازاروں میں فروخت ہونے والا وہ گوشت جس کے ذابح کے بارے میں علم نہ ہو، کھانا حلال نہیں۔

﴿۱۱﴾...... مرغیوں کو مشین کے ذریعہ ذبح کرنے میں شرعی لحاظ سے مندرجہ ذیل اعتراضات ہیں:

(الف)...... ذبح کرنے سے پہلے مرغی کو ایسے ٹھنڈے پانی میں ڈالنا جس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا گیا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا

امکان ہے کہ وہ بجلی کے کرنٹ کے نتیجے میں مرچکی ہو۔

(ب)......گھومنے والی چھری کے ذریعہ ذبح ہونے والی مرغیوں پر "تسمیہ" پڑھنا متعذر ہے۔

(ج)......بعض حالات میں رگوں کے کٹنے میں شبہ رہنا۔

﴿۱۲﴾......مندرجہ ذیل طریقوں سے مشینی ذبح کو شرعی ذبح کے لئے اختیار کرنا ممکن ہے:

(الف)......مرغی کو بیہوش کرنے کے لئے بجلی کے کرنٹ کے طریقے کو چھوڑ دیا جائے، یا اس کرنٹ کو اتنا معمولی رکھا جائے جس کی وجہ سے یہ یقین ہو جائے کہ اس کرنٹ کے نتیجے میں ذبح سے پہلے اس کی موت واقع نہیں ہوگی۔

(ب)......گھومنے والی چھری نکالی جائے اور اس کی جگہ پر چند افراد کھڑے کردیئے جائیں جو "تسمیہ" پڑھ کر ذبح کرتے جائیں۔

(ج)......وہ گرم پانی جس میں ذبح کے بعد مرغی کو گزارا جاتا ہے، وہ پانی جوش مارنے کی حد تک گرم نہ ہو۔

﴿۱۳﴾......گائے اور بکری کو مشین کے ذریعہ ذبح کرنے پر مندرجہ ذیل دو اعتراضات ہیں:

۱)......پہلا اعتراض یہ ہے کہ وہ طریقے جن کو جانور بیہوش کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً پستول کا استعمال، کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا

استعمال، یا بجلی کے کرنٹ کا جھٹکا دینا وغیرہ، ان تمام طریقوں میں ذبح سے پہلے جانور کی موت واقع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ لہذا ان طریقوں کو اس طرح معتدل کرنا ضروری ہے جس کے نتیجے میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ ان طریقوں میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی اور یہ کہ یہ طریقے جانور کی موت واقع ہونے کا سبب نہیں بنیں گے۔

۲)..... دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس طریقے میں ذبح بعض اوقات رگوں کے کاٹنے کے ذریعہ نہیں ہوتا۔

اگر مندرجہ بالا دونوں اعتراضوں کے تدارک کا اطمینان حاصل ہو جائے تو پھر ذبح کے لئے مشینی طریقے کو اختیار کرنا جائز ہے۔

﴿۱۴﴾..... غیر مسلم ممالک سے جو گوشت درآمد کیا جاتا ہے اس کا کھانا جائز نہیں، اگرچہ اس گوشت کے پیکٹ پر صراحۃ یہ عبارت درج ہو کہ "اسکو اسلامی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے" کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ یہ شہادت قابل اعتماد نہیں، اور گوشت کے اندر اصل "حرمت اور ممانعت" ہی ہے۔

سفارشات

۱۔ مسلم ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنے یہاں جانوروں کی پیداوار اور افزائش میں اضافہ کریں، تاکہ غیر مسلم ممالک سے گوشت درآمد

کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

۲۔ اور اگر کسی اسلامی ملک کو گوشت درآمد کرنے کی ضرورت ہو تو وہ صرف اسلامی ملک سے درآمد کرے۔

۳۔ جب تک اسلامی ممالک گوشت کے بارے میں خود کفیل نہ ہو جائیں، اس وقت تک حکومت گوشت درآمد کرنے والی کمپنیوں کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ علماء اور ماہرین کے وفود گوشت برآمد کرنے والی کمپنیوں میں بھیجیں، اور یہ وفود وہاں جا کر اس کا مطالبہ کریں کہ وہ جانوروں کے ذبح کے لئے ایسا طریقہ اختیار کریں جو شریعت اسلامیہ کے احکام کے موافق ہو، اور پھر ان ممالک میں ایسے غیرت مند مسلمان مقرر کئے جائیں جو مستقل طور پر ذبح کے طریقے کی با اعتماد ذرائع سے نگرانی کریں۔ اور جب تک ان کو مکمل طور پر اعتماد نہ ہو جائے، اس وقت تک ذبح شرعی کا سرٹیفکیٹ جاری نہ کریں۔

نیز اجمالی طور پر اس طرح سرٹیفکیٹ جاری نہ کریں کہ "یہ گوشت حلال ہے" یا "اسلامی طریقے پر ذبح شدہ ہے" بلکہ اس سرٹیفکیٹ میں ان تمام عناصر کی تصریح کریں جو ذبح شرعی کے لئے لازم ہیں، مثلاً یہ کہ "یہ جانور مسلمان یا کتابی نے ذبح کیا ہے اور اس نے ذبح کے وقت تسمیہ بھی پڑھا ہے اور جانور کے حلال ہونے کے لئے جن رگوں کو کاٹنا ضروری ہے ان تمام رگوں کو اس نے کاٹا ہے"۔

۴۔ اسلامی حکومتیں ان گوشت درآمد کرنے والی کمپنیوں کو جو غیر مسلم ممالک سے گوشت درآمد کرتی ہیں، گوشت کے پیکٹ پر یہ مجمل عبارت کہ "یہ گوشت حلال ہے" درج کرنے سے منع کردیں، جب تک وہ کمپنیاں گزشتہ نمبر میں بیان کردہ تمام شرائط پوری نہ کریں۔

۵۔ "اسلامی فقہ اکیڈمی" ایک مجلس منعقد کرنے کا اہتمام کرے، جس میں مختلف علاقوں کے اسلامی ممالک کی گوشت درآمد کرنے والی کمپنیوں کے ذمہ داروں اور نمائندوں کو شرکت کی دعوت دے اور ان کے سامنے اس معاملے کی اہمیت اور اس کا صحیح طریقہ اور اس بارے میں "اکیڈمی" کی سفارشات تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں۔

واللہ اعلم و علمہ أتمّ واحکم۔

خطباتِ عثمانی

(۳/جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے خطبات کا دوسرا مجموعہ:

خاص ایڈیشن : =/1200 روپے

عام ایڈیشن : =/800 روپے

میمن اسلامک پبلشرز

۳۱۸
اِصلاحی خُطبات
(مکمل ۱۸؍جلدیں)
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے ۲۳۹ خطبات پر مشتمل مقبول کتاب
خاص ایڈیشن : =/6300 روپے
عام ایڈیشن : =/4000 روپے
میمن اسلامک پبلشرز

الولایۃ

شرح شرح الوقایۃ (مکمل ۴ جلدیں)

شرح اردو شرح الوقایۃ (آخرین)

وفاق المدارس کے نصاب میں شامل

"شرح وقایہ (آخرین) کی بہترین اردو شرح"

قیمت: =/1100 روپے

۳۲۰
فقہی مقالات
(مکمل ۴ر جلدیں)
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم
کے ۳۷ مقالات پر مشتمل مقبول ترین کتاب
قیمت : =/900 روپے
اصلاحی مجالس
(۶ر جلدیں)
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم
کی مجالس پر مشتمل اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب
قیمت : =/1260 روپے
میمن اسلامک پبلشرز